بند کواڑوں کے آگے

عمیرہ احمد

بند کواڑوں کے آگے

میں نے پہلی بار اسے گورنمنٹ کالج کے ایک فنکشن میں دیکھا تھا۔ وہ اسٹیج سیکرٹری تھی اور ہر شخص، ہر چیز پر حاوی سی لگ رہی تھی۔ گفتگو کے فن سے آشنا تھی اور آواز کی خوبصورتی اپنی جگہ تھی۔

میں نے اسے بہت قریب سے نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی ایسی کوئی خواہش میرے دل میں پیدا ہوئی تھی۔ میں نے اس وقت انٹر میں نیا نیا داخلہ لیا تھا اور وہ وہاں گریجویشن کی طالبہ تھی۔ یہ ضرور تھا کہ پہلی بار کوایجوکیشن میں آنے کے بعد میں لڑکیوں سے کچھ خائف تھا لیکن اس وقت جس عمر میں تھا قدرتی طور پر مجھے صنف مخالف میں کافی دلچسپی محسوس ہوتی تھی۔

لیکن بہر حال مجھے اس سے متاثر ہونے کے باوجود اس کے پاس جانے یا ملنے کا شوق نہیں ہوا۔ وجہ بالکل واضح تھی، مجھے اس وقت لڑکیوں میں جو چیزیں اٹریکٹ کرتی تھیں ان میں سے کچھ بھی اس کے پاس نہیں تھا۔ نہ اس کے نین نقش تیکھے تھے، نہ بال لمبے تھے، نہ رنگت چاند کی طرح تھی، نہ دانت موتیوں جیسے تھے، نہ چال ہرنی جیسی تھی، نہ ہی وہ فیشن ایبل تھی۔ ہاں مگر اس کا قد بہت دراز تھا۔ اس فنکشن میں، میں بس دور سے اتنا ہی دیکھ سکا تھا۔

میں کوئی علامہ قسم کا اسٹوڈنٹ بھی نہیں تھا جو اس کے انداز گفتگو میں خوبصورت الفاظ کے انتخاب سے متاثر ہو جاتا سو بس چند گھنٹے وہاں گزارنے اور اس کے بعد اپنے دوستوں کے ساتھ اس فنکشن پر تبصرہ کرتا ہوا میں واپس گھر آ گیا تھا۔ رابیل علی سے یہ میرا پہلا تعارف تھا۔

کالج میں داخلہ لینے کے چند ماہ بعد ہی جونیئر ورلڈ کپ میں حصہ لینے والی پاکستانی ٹیم میں میرا انتخاب ہو گیا تھا۔ اور تعلیم سے میری توجہ بالکل ہی ہٹ گئی تھی۔ اس زمانہ میں کرکٹ ہی میرے لیے سب کچھ تھی۔ تین بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے مجھ پر کوئی ذمہ داری نہیں تھی۔ میری فیملی بہت امیر نہیں تھی لیکن بہر حال ہم کھاتے پیتے لوگوں میں شمار ہوتے تھے، خاص طور سے جب سے میرے بڑے دونوں بھائی بھی کمانے لگے تھے تب سے ہماری مالی پوزیشن کافی اچھی ہو گئی تھی۔

شروع میں گھر والوں نے مجھے کرکٹ کھیلنے سے منع کرنے کی کافی کوشش کی تھی لیکن بہر حال میں ان کی چالوں اور باتوں میں نہیں آیا۔ کرکٹ میرا شوق نہیں، جنون تھا اور اس جنون نے گھر والوں کو بھی اپنے حصار میں لے ہی لیا تھا۔ کلب کرکٹ کھیلتے کھیلتے جب اچانک میری سلیکشن انڈر 19 ٹیم کے لیے ہو گئی تو میرے ساتھ ساتھ میرے گھر والے بھی بہت خوش تھے۔

پھر میں جونیئر ورلڈ کپ کے لیے انگلینڈ چلا گیا۔ پاکستان کی مجموعی پرفارمنس وہاں پر زیادہ بہتر نہیں رہی لیکن جن چند کھلاڑیوں نے بین الاقوامی میڈیا کی توجہ اپنی طرف مبذول کروائی تھی ان میں، میں بھی تھا۔ پتا نہیں کون کون سے خطاب تھے جو مجھے دے دیے گئے تھے۔ مجھے پاکستان کی باؤلنگ کا مستقبل قرار دے دیا گیا تھا اور میں جیسے ان پچیس دنوں میں مستقل ہواؤں میں رہا تھا۔ گمنامی سے ایک دم دنیا کے سامنے آنا ایسا ہی ہوتا

ہے جیسے کوئی چمگادڑ یک دم سورج کے سامنے آ جائے۔

میں خوبصورت اور کم عمر تھا۔ ٹیلنٹڈ تھا اور مجھے ان سب چیزوں کا احساس تھا۔ جونیئر ورلڈ کپ کے اختتام کے ساتھ ہی انگلینڈ میں لیگ کرکٹ میں حصہ لینے والے ایک کلب کے ساتھ میرا معاہدہ ہو گیا تھا۔ اور پھر چند ہی ماہ میں مجھے بہت سے ملکوں کی جونیئر ٹیموں کے ساتھ کھیلنے کا موقع ملا تھا۔ میں پاکستان کی جونیئر ٹیم کا ایک مستقل رکن بن گیا تھا۔

مجھے یاد ہے جب میں دوبارہ کالج آیا تھا تو تقریباً آٹھ ماہ گزر گئے تھے۔ کالج سے میرا نام خارج نہیں کیا گیا تھا، وجہ صرف کرکٹ ہی تھی اور میں جانتا تھا کہ اب میں ایک دوسرا احسن منصور ہوں۔ کالج میں میری بہت زیادہ شناخت نہیں ہوئی تھی کیونکہ ظاہر ہے ایک جونیئر ٹیم کا کھلاڑی لائم لائٹ میں اس طرح نہیں رہتا جس طرح سینئر کھلاڑی رہتے ہیں مگر جتنی شہرت اور شناخت مجھے حاصل تھی میں اس پر بھی خوش تھا۔ اب میرا چہرہ ایک عام چہرہ نہیں رہا تھا۔ میں خود کو دوسروں سے منفرد اور ممتاز سمجھنے لگا تھا خاص طور پر لڑکیوں میں میری مقبولیت بڑھ گئی تھی۔ یا کم از کم مجھے تو ایسا ہی لگتا تھا۔

مجھے یاد ہے چند ماہ بعد میں نے ایک صبح اخبار میں رابیل علی کی تصویر دیکھی تھی۔ اس نے BA میں ٹاپ کیا تھا اور اس کا چہرہ دیکھتے ہی مجھے وہ فنکشن یاد آ گیا تھا جس میں، میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ میں کچھ مرعوب سا ہوا تھا آخر BA میں ٹاپ کرنا کوئی معمولی بات تو نہیں تھی لیکن یہ احساسات صرف کچھ دیر کے لیے ہی تھے۔ میں جلد ہی اسے ایک بار پھر بھول گیا تھا۔ ان ہی دنوں آسٹریلیا کا ٹور کرنے والی پاکستانی ٹیم کے لیے میرا انتخاب کیا گیا تھا اور میں جیسے خوشی سے پاگل ہو گیا تھا۔

میں صرف سترہ سال کا تھا اور اس عمر میں یک دم پاکستانی کرکٹ ٹیم میں بغیر کسی سفارش کے آ جانا کسی معجزے سے کم نہ تھا۔ مبارکبادوں کا ایک طویل سلسلہ تھا جو شروع ہو گیا تھا۔ اگلے دن کالج میں بھی میں سب کی توجہ کا مرکز بنا رہا یہاں تک کہ کچھ اساتذہ نے بھی مجھے کلاس میں ہی مبارکباد دی تھی۔

پھر میں آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کا ٹور کرنے والی ٹیم کے ساتھ چلا گیا اور میرے کیریئر کا باقاعدہ آغاز ہو گیا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کون سی طاقت تھی لیکن بہر حال میرا ہر پانسہ سیدھا ہی پڑتا رہا۔ میں صرف ایک باؤلر تھا لیکن دلچسپ بات یہ تھی کہ بیٹنگ میں دلچسپی نہ ہونے کے باوجود میری پرفارمنس اس میں بھی شاندار رہی تھی۔ جہاں سپر اسٹارز فلاپ ہونا شروع ہوتے وہاں کبھی میری بیٹنگ رنگ جمانے لگتی اور کبھی میری باؤلنگ اپنی دھاک بٹھانے لگتی۔

جب ان دونوں سیریز میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد میں پاکستان واپس لوٹا تھا تو میری گردن کے کلف میں اور اضافہ ہو چکا تھا۔ میری باتوں کا انداز بدل چکا تھا کیونکہ میں بدل چکا تھا۔ ہر ماہ گھر والوں سے پانچ چھ سو جیب خرچ لینے والے کے پاس اب اتنے پیسے تھے کہ وہ گھر والوں پر ڈھیروں روپے خرچ کر سکے۔ اخبارات میں میری پرفارمنس پر خصوصی کالم لکھے جا رہے تھے۔ اسپورٹس میگزین مجھ پر خصوصی ضمیمے نکال رہے تھے۔ مختلف ڈیپارٹمنٹس کی طرف سے مجھے اپنے لیے کھیلنے پر مجبور کیا جا رہا تھا۔ میں اب اسٹار آل راؤنڈرز کی صف میں شامل ہو گیا تھا اور اس سب کے لیے مجھے نہ سالوں کی محنت کرنی پڑی تھی نہ کوئی طویل جدوجہد۔

پاکستان واپس آنے کے بعد جب میں دوبارہ کالج گیا تھا تو مجھے دیکھتے ہی جیسے ہر ایک حیران ہو جاتا تھا۔ آٹو گرافس لینے والوں کا ایک بڑا ہجوم تھا جس نے مجھے پہلے دن اپنے گھیراؤ میں رکھا اور ظاہر ہے اس میں لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد شامل تھی۔ اور میں یقیناً زندگی میں یہی سب کچھ چاہتا تھا۔ میں اب لڑکیوں سے پہلے کی طرح خائف نہیں تھا۔ بیرونی دوروں نے صنف نازک کے سامنے میری گھبراہٹ کو ختم کر دیا تھا۔ اب میں ان کے تبصروں کے جواب اتنے ہی شوخ انداز میں دیتا تھا۔ لیکن اب کالج میرا آنا جانا کافی کم ہو گیا تھا میں صرف خانہ پری کے لیے ہی کبھی کبھار وہاں جاتا تھا ورنہ مجھے نہ تو تعلیم میں پہلے کوئی دلچسپی تھی نہ ہی اب تھی بس میرے والدین کا اصرار تھا کہ میں گریجویشن ضرور کر لوں چاہے تھرڈ ڈویژن میں ہی سہی اور میں نے ان کے اصرار پر سر جھکا دیا تھا۔

رابیل علی سے میری پہلی باقاعدہ ملاقات تب ہوئی تھی جب کالج نے اپنے ایک سالانہ فنکشن میں کچھ نامور لوگوں کے ساتھ مجھے بھی مدعو کیا۔ وہ اب انگلش ڈیپارٹمنٹ میں ایم اے انگلش کی طالبہ تھی اور اس فنکشن میں ایک بار پھر اسٹیج سیکرٹری کے طور پر سامنے آئی تھی لیکن پہلی بار مجھے اندازہ ہوا کہ وہ لوگوں میں بہت پاپولر ہے۔

میرے کچھ دوستوں نے مجھے اس فنکشن کا آغاز ہونے سے پہلے ہی اس کے بارے میں خبردار کیا تھا کہ وہ بہت تیکھے سوال کرتی ہے اور زیادہ تر مدمقابل کو لاجواب کر چھوڑتی ہے لیکن جو عجیب بات مجھے اپنے دوستوں کے رویے میں محسوس ہوئی تھی وہ رابیل کے لیے احترام تھا۔ میرے دوستوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو لڑکیوں کے بارے میں تبصرے کرتے ہوئے محتاط رہتا مگر رابیل کے بارے میں وہ بڑے محتاط انداز میں بات کر رہے تھے۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ لاشعوری طور پر اس سے مرعوب تھے۔

مجھے ان کے رویے پر کافی حیرانگی ہوئی تھی۔ مجھے یاد ہے میں نے بڑی لاپرواہی کا اظہار کیا تھا۔ لیکن میرے دوست عمر نے کہا تھا:

"دیکھیں گے تم بھی کتنے پانی میں ہو۔ اس کے سامنے ساری چوکڑیاں نہ بھول جاؤ تو میرا نام بدل دینا۔"

رابیل کے بارے میں اس جملے نے میرے تجسس اور تشویش دونوں کو بڑھا دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ پروگرام کے آغاز سے پہلے میں اس سے ملوں اور پوچھوں کہ وہ مجھ سے کس قسم کے سوالات کرے گی اور جب میں نے اپنے دوستوں سے اس بات کا اظہار کیا تو عجیب سا رسپانس انھوں نے دیا تھا۔ عمر نے کندھے اچکائے تھے۔ حسن نے سیٹی بجانے کے انداز میں ہونٹ سکوڑے تھے۔ عادل جھینپی سی ہنسی ہنسنے لگا تھا۔

یک دم مجھے احساس ہوا کہ وہ سب اس کے پاس جانے سے گھبرا رہے تھے۔ ایسے جیسے وہ بے حد کنفیوز ہو گئے تھے۔ لیکن بہرحال وہ میرے ساتھ اس کے پاس جانے پر آمادہ ہو گئے۔ پھر کچھ دیر کے بعد میں رابیل علی کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ اس فنکشن کے انچارج سر عمانوئیل اور چند دوسرے اسٹوڈنٹس کے ساتھ کھڑی کچھ پیپرز دیکھ رہی تھی اور شاید کسی موضوع پر کچھ بحث بھی ہو رہی تھی۔

سر عمانوئیل نے مجھے دور سے دیکھ لیا تھا اور وہ تیزی سے میرے پاس آئے تھے۔ بڑی گرم جوشی سے انھوں نے میرا حال احوال پوچھا تھا اور فنکشن میں آنے کے لیے شکریہ ادا کیا تھا پھر وہ مجھے میری نشست پر لے جانا چاہتے تھے لیکن میں نے ان سے کہا کہ میں رابیل علی سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں اگر وہ اسے میرا پیغام دے دیں تو میں ان کا بہت مشکور ہوں گا۔ وہ مسکراتے ہوئے رابیل کے پاس چلے گئے تھے۔ اور چند لمحے بعد

میں نے رابیل اور اس کے ساتھ کھڑے دوسرے لڑکوں کو اچانک اپنی طرف متوجہ ہوتے دیکھا۔ وہ ان پیپرز کو رول کرتی ہوئی میری طرف آ گئی تھی اور پتا نہیں کیوں لیکن مجھے لگا تھا کہ میں اتنا ہی کنفیوز ہوں جتنے میرے دوست ہیں۔ میرے پاس آ کر اس نے مسکراتے ہوئے مجھے وش کیا تھا:

''سر عمانوئیل کہہ رہے تھے کہ آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہے ہیں۔''

اس نے بغیر کسی توقف کے مجھ سے پوچھا اور یک دم مجھے لگا کہ میرا سارا اعتماد رخصت ہو گیا ہے لیکن بہر حال اپنی ساری ہمت کو اکٹھا کرتے ہوئے میں نے اس سے کہا:

''وہ اصل میں میرے دوست کہہ رہے تھے کہ آپ اسٹیج پر اپنے سوالوں اور باتوں سے بہت پریشان کرتی ہیں۔''

اس کے چہرے پر میری بات سن کر حیرانگی کے تاثرات نمودار ہوئے تھے لیکن پھر اس نے ایک گہری مسکراہٹ کے ساتھ میرے دوستوں کو دیکھتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

''آپ کے کون سے دوست کہہ رہے ہیں کہ میں اسٹیج پر اپنے سوالوں سے پریشان کرتی ہوں؟''

میں نے عمر کی طرف اشارہ کیا تھا اور مجھے لگا تھا جیسے عمر وہاں سے دوڑ لگا دے گا کم از کم اس کے چہرے سے مجھے ایسا ہی لگا تھا۔

''آپ کا نام کیا ہے؟'' اس نے مسکراتے ہوئے براہ راست عمر سے ہی پوچھا تھا۔ عمر کا نام جاننے کے بعد اس نے کہا تھا:

''دیکھیں عمر! میں پریشان کرنے والے سوال نہیں کرتی، میں اچھے سوال کرتی ہوں تاکہ ان کے جواب بھی اچھے اور منفرد ملیں اور جو لوگ پروگرام دیکھ رہے ہوتے ہیں وہ اسے انجوائے کریں۔ اگر وہی اسٹیریو ٹائپ سوال پوچھے جاتے رہیں تو مجھے نہیں لگتا کہ کسی کو اس بات میں دلچسپی ہو گی کہ وہ مہمانوں کے ساتھ میری باتیں سنے لیکن بہر حال میں کبھی بھی اپنے پروگرامز میں حصہ لینے والوں کو پریشان کرنا نہیں چاہوں گی اور آج کا پروگرام دیکھنے کے بعد آپ ضرور مجھے بتائیے کہ میں نے کون سا سوال ایسا کیا تھا جو پریشان کرنے والا تھا یا جو مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

وہ بڑی نرمی سے مجھے نظر انداز کیے ہوئے عمر سے مخاطب تھی جو زمین پر نظریں گاڑے کھڑا تھا۔

میں نے آج تک اسے کبھی کسی لڑکی کے سامنے نظریں جھکائے نہیں دیکھا تھا لیکن آج میں نے دیکھ ہی لیا تھا۔ وہ عمر سے بات کرنے کے بعد مجھ سے مخاطب ہوئی۔

''جہاں تک آپ کا تعلق ہے تو ہم سب کو آپ پر بہت فخر ہے۔ ہمارے کالج کو آپ پر ناز ہے کیونکہ آپ بہترین پلیئر ہیں اور میں نہیں سمجھتی کہ آپ کو کوئی خدشہ ہونا چاہیے۔ آپ گراؤنڈ میں اتنے کانفیڈنٹ نظر آتے ہیں تو یقیناً اسٹیج پر بھی ہوں گے اور میں کوشش کروں گی کہ بقول عمر کے کوئی پریشان کرنے والا سوال نہ کروں۔ میرے خیال میں اتنی یقین دہانی کافی ہے ناؤ ایکسکیوز می مجھے کچھ کام ہے۔''

وہ معذرت کرتی ہوئی واپس چلی گئی تھی۔ میں ان چند لمحوں میں مکمل طور پر اس کا جائزہ لے چکا تھا۔ وہ بلیک اور وائٹ چیک کی شرٹ میں ملبوس تھی۔ بلیک شلوار کے ساتھ اس نے بلیک دوپٹہ لیا ہوا تھا اور جینز کی بلیک جیکٹ کی آستینیں اس نے کہنیوں تک الٹ رکھی تھیں اس کی بائیں کلائی میں ایک رسٹ واچ تھی اور دوسری کلائی بالکل خالی تھی۔ کانوں میں چھوٹی چھوٹی بالیاں تھیں اور اسٹیپس میں کٹے ہوئے کھلے بالوں میں اس نے ایک ہیئر بینڈ لگا رکھا تھا۔

وہ بہت خوبصورت تو نہیں تھی مگر اس کی آنکھیں اور مسکراہٹ دونوں یقیناً خوبصورت تھیں۔ اس کی آنکھیں بہت چمکدار اور بچوں کی طرح شفاف تھیں یقیناً اس کی شخصیت میں کوئی ایسی بات تھی جو دوسروں کو مرعوب کر دیتی تھی شاید اس کا اعتماد، شاید اس کا انداز گفتگو، شاید اس کی آواز یا شاید یہ سب کچھ...... میں بہر حال کافی متاثر ہوا تھا۔

اور اس دن اسٹیج پر جا کر میں واقعی اپنی ساری چوکڑی بھول گیا تھا۔ اس کے سوال بہت تیکھے تھے اور ان کے پوچھنے کا انداز اس سے بھی سوا تھا۔ جو کمی رہ گئی تھی وہ ہال میں سے آنے والے ریمارکس تھے اور تالیوں اور قہقہوں کا ایک شور تھا جو اس کے ہر سوال پر ہال میں بلند ہوتا تھا۔ مجھے اسٹیج پر بلانے سے پہلے وہ چند دوسرے مہمانوں سے باتیں کرتی رہی تھی اور اس نے ان سے بھی کافی مشکل اور دلچسپ سوال پوچھے تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی میری طرح نروس نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ کافی میچور عمر کے تھے لیکن بہر حال میں اپنی اس خود اعتمادی کا کوئی مظاہرہ نہیں کر سکا جس کے لیے میں مشہور تھا۔ میں ایک ہی رات میں جیسے سپر اسٹار سے laughing stock بن گیا تھا۔

وہ اسٹیج پر مجھے اس ننھے بچے کی طرح ٹریٹ کر رہی تھی جس کے ہاتھوں میں کھلونوں کا ایک ڈھیر ہو اور وہ اسے سنبھالنے کی کوشش میں بے حال ہوا جا رہا ہو۔ اس نے میرے ہیئر اسٹائل سے لے کر میرے کھیل اور میری تعلیمی دلچسپیوں سے لے کر میرے گھر آنے والی فون کالز تک کو موضوع بحث بنایا تھا۔ میں اس کے ہر سوال پر بوکھلاتا، کبھی کھسیانی ہنسی ہنستا، کبھی جھینپتا اور جب کبھی اپنی طرف سے معقول جواب دینے کی کوشش کرتا تو ہال سے آنے والی کوئی آواز یا رابیل علی کا کوئی تبصرہ میرے اس جواب کی معقولیت کو یک دم زائل کر دیتا۔ ایسے لگتا تھا جیسے اس نے میرے لیے بلکہ سارے مہمانوں کے لیے کافی ہوم ورک کیا تھا اور شاید ہال میں بھی اس نے کچھ لوگوں کو کچھ جملے رٹا رکھے تھے جو بروقت بولے جاتے تھے۔

میں اس انٹرویو کے اختتام تک بالکل ہمت ہار چکا تھا اور میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ میں وہاں سے بھاگ جاؤں۔ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ مختلف ڈیپارٹمنٹس باقاعدہ پلاننگ سے میرے ساتھ یہ سلوک کر رہے تھے کیونکہ ہال میں سے جتنے تبصرے مجھ پر کیے گئے تھے۔ وہ ساری آوازیں وہاں سے آ رہی تھیں جہاں ایم اے کے اسٹوڈنٹس بیٹھے تھے۔ لیکن بہر حال میں کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ وہ لوگ جیسے مجھے فرسٹ ایئر فول سمجھ کر چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے اور میں سب سننے پر مجبور تھا۔

لیکن پتا نہیں کیوں اس دن واپس گھر آ کر میں جب سونے کے لیے لیٹا تو مجھے چند گھنٹے پہلے کی یہ ساری آپ بیتی اتنی بری نہیں لگی۔ رابیل علی سے مرعوبیت اور بھی بڑھ گئی تھی کیونکہ اس دن پہلی بار میں نے اسے اردو اور انگلش میں بولتے بلکہ خوب بولتے ہوئے دیکھا تھا۔ اسے دونوں زبانوں میں یکساں مہارت تھی اور میں دونوں میں سے کسی پر بھی عبور نہیں رکھتا تھا۔

اس رات میں بہت دیر تک رابیل علی کے بارے میں سوچتا رہا تھا اور زندگی میں پہلی بار میں نے کسی لڑکی کی ظاہری خوبصورتی کی بجائے اس کی ذہانت اور حاضر دماغی کے بارے میں سوچا تھا۔ اس وقت مجھے اس کے سوالوں کے بہت مناسب جواب سوجھ رہے تھے اور مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ اس نے کوئی بھی ایسا سوال نہیں کیا تھا جس کا جواب نہ دیا جا سکتا ہو لیکن اب اس کا فائدہ نہیں تھا کیونکہ جواب دینے کا وقت گزر چکا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا تھا۔ جیسے میں اس کے لیے ایک ننھا بچہ تھا جسے وہ بہلا کر اپنی اور دوسروں کی انجوائے منٹ کا سامان کر رہی ہو۔

جب سے میں پاکستان کرکٹ ٹیم میں آیا تھا، یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نے مجھے اتنی غیر سنجیدگی سے لیا تھا۔ یہ درست تھا کہ میں کافی کم عمر تھا لیکن بہرحال اپنے قدوقامت سے میں کسی طور بھی ٹین ایجر نہیں لگتا تھا اور نہ ہی مجھے یہ بات پسند تھی کہ مجھے ٹین ایجر کے طور پر ٹریٹ کیا جاتا۔

پتا نہیں کیا ہوا تھا مگر اس فنکشن کے بعد میں نے باقاعدہ طور پر کالج جانا شروع کر دیا تھا۔ کلاسز میں کم ہی اٹینڈ کرتا ہاں انگلش ڈیپارٹمنٹ کا چکر ضرور لگایا کرتا تھا وجہ صرف رابیل علی تھی۔ وہاں اکثر میرا اس سے سامنا ہو جاتا تھا۔ لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ اس نے کبھی بھی مجھ سے سلام دعا میں پہل نہیں کی تھی۔ وہ اپنی دوستوں کے ساتھ ہوتی اور میں اپنے دوستوں کے ساتھ اور وہ اچٹتی سی نظر مجھ پر ڈال کر گزر جانے کی کوشش کرتی اور میں ہمیشہ پہل کرتے ہوئے اس سے ہیلو ہائے کرتا۔ وہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کا جواب دیتی اور میرے ساتھ مزید گفتگو کرنے کی بجائے پاس سے گزرتی چلی جاتی۔

شروع میں مجھے اس کے اس رویے سے عجیب سی خفت کا احساس ہوا تھا کیونکہ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ مجھے لڑکیوں سے سلام دعا میں پہل کرنی پڑی ہو یا کسی نے اس طرح سرسری انداز میں میرے سلام دعا کا جواب دیا ہو، جیسے اہم شخص میں نہیں وہ ہو۔ مجھے ایسا لگا تھا جیسے وہ جان بوجھ کر ایسا کرتی تھی تاکہ میں یہ سمجھ کر کہ وہ بڑی منفرد لڑکی ہے اس کی طرف مزید راغب ہوں اور اس کی محبت میں گرفتار ہو جاؤں۔

جب یہ خیال میرے دماغ میں آیا تو یک دم وہ مجھے بڑی تھرڈ کلاس لڑکی لگی جو مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے وہی اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر رہی تھی جو آج کل کی ہر لڑکی استعمال کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ کچھ اس میں کامیاب بھی ہو جاتی ہیں لیکن بیشتر ناکام رہتی ہیں کیونکہ آج کا مرد اتنا بھولا نہیں ہے جتنا لڑکیوں نے سمجھ لیا ہے۔ بے نیازی جتانے کا یہ حربہ مردوں کا بہت پرانا اور آزمودہ حربہ رہا تھا جسے وہ اب آؤٹ ڈیٹڈ سمجھ کر چھوڑ چکے ہیں اور لڑکیوں نے اسے اپنا لیا ہے۔ سو مجھے خود پر بڑا افسوس ہوا کہ میں کیسے اس حربے میں پھنس گیا ہوں اور ایک مجنوں کی طرح میں نے انگلش ڈیپارٹمنٹ جانا شروع کر دیا ہے۔

اگلے کچھ دن میں کالج جانے سے باز رہا لیکن پھر چند دن کے بعد پتا نہیں مجھے کیا سوجھی کہ میں نے پھر کالج جانا شروع کر دیا اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ انگلش ڈیپارٹمنٹ بھی، میں نے بہت کوشش کی کہ اسے نظر انداز کرنا شروع کر دوں بالکل ویسے ہی جیسے وہ مجھے کرتی ہے لیکن بس یہی ایک کام تھا جو میں نہیں کر پایا۔ اسے دیکھتے ہی اس کے لیے مخالفانہ خیالات اور اس کے لیے میری کدورت بھک سے میرے دماغ سے غائب ہو گئی تھی۔

اپنی ساری انا، غیرت اور خودداری کو بالائے طاق رکھتے ہوئے میں نے اس کا حال پوچھا تھا اور وہ I'm fine کہہ کر جوابی طور پر میرا حال پوچھے بغیر چلی گئی تھی میری ساری محنت کا حصول وہ مسکراہٹ تھی جو چند لمحوں کے لیے مجھ سے بات کرتے ہوئے اس کے چہرے پر نمودار ہوئی تھی اور پھر یہ سب روٹین کا حصہ بن گیا تھا۔

اس پر نظر پڑتے ہی میں کسی سحر زدہ معمول کی طرح اس کی طرف بڑھ جاتا تھا اور ان ہی رسمی دعائیہ کلمات کے بعد وہ رکے بغیر چلی جاتی تھی اور مجھے اپنی اس حرکت پر بے حد طیش اور شرم محسوس ہوتی تھی لیکن صرف اس وقت تک جب تک وہ دوبارہ میرے سامنے نہیں آ جاتی تھی۔

پھر آہستہ آہستہ مجھے پتا چلا کہ صرف میں ہی نہیں تھا جو اس کے پروانوں میں شامل تھا وہاں ستم رسیدہ اور بھی تھے اور ان میں ہر عمر اور ہر ایئر

کے نوجوان شامل تھے اور سب سے بڑی ستم ظریفی یہ تھی کہ میرا عزیز ترین دوست عمر زبیری بھی ان ہی لوگوں میں شامل تھا۔ مجھے ہمیشہ اس بات پر خوشی محسوس ہوتی تھی کہ میں جب بھی عمر سے انگلش ڈیپارٹمنٹ جانے کے لیے کہتا ہوں وہ ایک لفظ کہے بغیر اٹھ کھڑا ہو جاتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ میری دوستی کی وجہ سے ایسا کرتا ہے مگر اس کا انکشاف بہت بعد میں ہوا کہ وہ اصل میں رابیل علی کو دیکھنے کے لیے وہاں جانے پر تیار ہو جاتا تھا۔ اگرچہ یہ اندازہ کبھی بھی نہیں ہو پایا کہ میں بھی اس کے رقیبوں میں شامل ہوں اور نہ ہی یہ انکشاف میں نے کرنے کی کوشش کی۔ یہ اسی کی بدولت تھا کہ مجھے ان دوسرے لڑکوں کے بارے میں پتا چلتا گیا جو رابیل علی کو دیکھنے کے لیے انگلش ڈیپارٹمنٹ جاتے تھے۔

عمر کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ انگلش ڈیپارٹمنٹ میں کون کس لیے جاتا تھا اور میری معلومات میں اضافہ کا وہ سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ یہ راز بھی مجھ پر آہستہ آہستہ ہی آشکار ہوا تھا کہ جس چیز کو میں رابیل علی کی چال یا حربہ سمجھ رہا ہوں وہ دراصل اس کی عادت تھی۔ میں وہ پہلا یا واحد آدمی نہیں تھا جسے وہ اگنور کرتی تھی وہ اپنے علاوہ ہر ایک کو ہی اگنور کرتی تھی اس میں مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔ ہاں لڑکوں کی سلام دعا کو وہ صرف سلام دعا تک ہی محدود رکھتی تھی اور حال احوال جاننے یا پوچھنے کا تکلف تک نہیں کرتی تھی۔

اس کی ریپوٹیشن کالج میں ایسی تھی کہ اول تو کوئی اسے مخاطب کرنے کی جرأت ہی اپنے آپ میں پیدا نہیں کر پاتا تھا خاص طور پر وہ جو کالج صرف سیر و تفریح اور نظارے کرنے کے لیے آتے تھے۔ وہ خود اعتمادی سے مالا مال تھی، بہت ساروں کے پاس یہ خوبی ہوتی ہے۔ وہ اسٹریٹ فارورڈ تھی، بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ وہ بلا کی ذہین تھی، لاکھوں لوگ ذہین ہوتے ہیں۔ اس کی شخصیت خوبصورت تھی، یہ بھی کوئی ایسی خاص خوبی نہیں ہے۔ وہ بے داغ کردار کی مالک تھی، کم سہی مگر خوبصورت کردار کے بہت لوگ بھی اسی دنیا میں ملتے ہیں۔ مگر یہ ساری باتیں کسی ایک شخص میں بہت کم ملتی ہیں اور کسی عورت میں تو شاید بہت ہی کم، کالج میں اور بھی بہت سی لڑکیاں ایسی تھیں جن کے چرچے عام تھے، جن کے ہزاروں پروانے تھے اور انھیں دیکھنے کے لیے بھی لڑکے باقاعدہ انتظار کرتے تھے مگر وہ صرف ان لڑکیوں کی خوبصورتی کے پروانے تھے۔ کوئی کسی کے چہرے کی ایک جھلک دیکھنے کا منتظر رہتا اور کسی کو کسی اور کی فگر غضب کی لگتی یا کسی کے لباس پہننے کا انداز ایسا ہوتا کہ وہ دوسروں کو دعوت نظارہ دیتا رہتا لیکن میں نے کبھی کسی لڑکے کو کسی لڑکی کی شخصیت یا ذہانت سے اتنا متاثر نہیں دیکھا تھا کہ وہ اس کے لیے اس طرح بے قرار پھرے مگر رابیل علی ایسی لڑکی تھی جس کی جسمانی خوبصورتی کے لیے تو شاید کوئی اسے دیکھنے کے لیے کھڑا نہ ہوتا مگر ذہن یا شاید شخصیت یا شاید...... نہ جانے کیوں مجھے یہ بتانا اتنا مشکل کیوں ہو رہا ہے کہ اس میں کیا بات تھی جو دوسروں کو یوں سحر زدہ کر دیتی تھی۔

ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ بہت مغرور تھی جب کوئی اس سے مخاطب ہوتا اس کا حال احوال دریافت کرتا یا اس سے کسی مسئلے پر مدد کا طلبگار ہوتا تو وہ بڑی سنجیدگی سے اس کی بات سنتی تھی۔ میں نے کبھی اس کے انداز میں دوسروں کے لیے ہتک نہیں دیکھی تھی، شاید وہ اپنے دوستوں کے علاوہ باقی سب کو ایک سے انداز میں ہی ٹریٹ کرنا چاہتی تھی اور یہ میرے لیے کچھ قابل قبول نہیں تھا۔ میں خاص توجہ اور غیر معمولی برتاؤ کا عادی ہو چکا تھا۔ مجھے یہ گوارہ کیسے ہوتا کہ وہ مجھے عام سا لڑکا سمجھے اسے احسن منصور اور دوسرے لڑکوں میں کوئی فرق ہی محسوس نہ ہو۔

میری بے چینی بجا تھی مگر شاید رابیل کو احسن منصور نظر ہی نہیں آتا تھا۔ اسے تو شاید سیکنڈ ائیر کا ایک ننھا لڑکا نظر آتا تھا۔

ان ہی دنوں کرکٹ سیزن شروع ہو گیا تھا اور میری توجہ رابیل سے ہٹ گئی تھی۔ تقریباً چھ ماہ تک میں مختلف اندرونی و بیرونی دوروں میں مصروف رہا تھا اور ان چھ ماہ میں رابیل علی میرے ذہن سے یکسر محو ہو کر رہ گئی تھی۔ میری توجہ ان لڑکیوں پر مبذول رہی تھی جو میرے ارد گرد رہتی تھیں اور ان پریوں کی موجودگی میں مجھے رابیل علی بالکل یاد نہیں آئی۔

یہ چھ ماہ میرے لیے اور عروج لے کر آئے تھے۔ میں نے کاؤنٹی کرکٹ کھیلنے کا معاہدہ بھی کر لیا تھا اور چند دوسرے اسپورٹس وئیر کے اداروں کے ساتھ بھی میں نے کانٹریکٹ کیے تھے اور دولت اب مجھ پر بارش کی طرح برس رہی تھی۔

چھ ماہ تک کرکٹ میں مصروف رہنے کے بعد میں سیزن ختم ہوتے ہی کالج آیا تھا اور آتے ہی مجھے رابیل بھی یاد آ گئی تھی۔ اس بار میں اپنی ذاتی ہنڈا اسوک پر کالج آیا تھا اور میں جانتا تھا کہ کالج میں میرا استقبال بھی پہلے سے زیادہ پُر جوش طریقے سے ہوگا اور ایسا ہی ہوا تھا۔ مجھے اس سیزن میں میری بہترین پرفارمنس پر بے تحاشا داد اور مبارکبادیں دی گئی تھیں اور ہر تعریفی کلمے پر میرا سر فخر سے اور بلند ہو جاتا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ رابیل مجھ سے سامنا ہونے پر رسماً ہی سہی مگر مجھے مبارکباد ضرور دے گی کیونکہ پچھلے چھ ماہ سے میں جو کارنامے دکھاتا پھر رہا تھا اس پر یقیناً داد کا مستحق تھا۔ میں جہاں سے گزرتا ہر ایک کی توجہ کا مرکز بنتا ہوا انگلش ڈیپارٹمنٹ پہنچ گیا۔

اس دن عمر میرے ساتھ نہیں تھا اور اس کے بجائے میرے دوسرے دوست میرے ساتھ تھے۔ میں نے اسے چند لڑکوں اور لڑکیوں کے ساتھ برآمدے کی سیڑھیوں میں بیٹھے دیکھا۔ وہ سب کسی بحث میں مصروف تھے۔ میں دانستہ طور پر اس کے پاس رکا۔ اس کے پاس بیٹھے ہوئے دوسرے لڑکوں نے مجھے کافی خوش دلی سے گریٹ کیا تھا اور مجھے میری پرفارمنس پر مبارکباد دی تھی لیکن اس نے صرف میرے سلام کا جواب دیا تھا اور پھر مسکراتے ہوئے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہونے والی میری گفتگو سنتی اور دیکھتی رہی۔

ایک دفعہ بھی اس کے لبوں سے میرے لیے کوئی تعریفی کلمہ نہیں نکلا تھا۔ میں اس کے بولنے کا منتظر تھا اور وہ شاید میرے جانے کے انتظار میں تھی پھر میں وہاں سے آ ہی گیا تھا۔ ایک عجیب سی ہتک کا احساس ہوا تھا مجھے اس دن اور پتا نہیں کیوں ساری رات میں سو نہیں پایا۔ سگریٹ پر سگریٹ سلگاتے کمرے کے چکر لگاتے ہوئے میں نے ساری رات گزار دی۔

صبح میں فجر کی اذان کے بعد سویا تھا اسی لیے جاگنگ کے لیے بھی نہیں جا پایا، نہ ہی کوئی دوسری ایکسر سائز کرنے کو میرا دل چاہا۔ امی نے دس بجے ناشتے کی میز پر میری آنکھیں سرخ دیکھ کر مجھ سے وجہ پوچھی تھی اور میں بڑی صفائی سے انھیں ٹال گیا تھا۔

رابیل علی کے بارے میں سب کچھ جاننے کی بے چینی میرے سر پر سوار تھی۔ میں اس کے ماضی، حال، ہر چیز کے بارے میں جاننا چاہتا تھا کہ شاید کوئی ایسا رخنہ ایسی دراڑ مجھے ملے جس سے میں اس کے قلعے کو توڑ سکوں۔ وہ جو اس قدر پرسکون اور ناقابل تسخیر نظر آتی ہے کہیں تو کچھ ایسا ہوگا جس سے اس کی مضبوطی اور سکون کو ختم کیا جا سکے گا اور اگلے چند ہفتوں میں، میں اس کے بارے میں سب کچھ معلوم کر چکا تھا اور ایک عجیب سی مایوسی مجھے ہوئی تھی۔

میرا خیال تھا کہ وہ کسی بہت امیر و کبیر فیملی سے تعلق رکھتی ہے اور شاید اس کے اعتماد کی وجہ بھی یہی ہے لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس

تھی۔ وہ ایک مڈل کلاس فیملی سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کی ماں ایک گورنمنٹ اسکول میں ہیڈ مسٹریس تھی جو سترہ سال پہلے اپنے شوہر سے طلاق لے چکی تھی۔ رابیل کی دو اور بہنیں تھیں اور وہ دونوں بھی اس کی طرح قابل تھیں۔ اس کی چھوٹی بہن معصومہ علی نے گورنمنٹ کالج سے گریجویشن کیا تھا اور پھر اس نے لندن اسکول آف اکنامکس کا ایک اسکالرشپ حاصل کیا تھا اور اس وقت وہ انگلینڈ میں زیر تعلیم تھی اور اس کی سب سے چھوٹی بہن ملیحہ علی، کے۔ای میڈیکل کالج میں تھی۔ وہ جس علاقے میں رہائش پذیر تھے وہ مڈل اور لوئر مڈل کلاس لوگوں کا علاقہ سمجھا جاتا تھا اور وہ ایک پرانی طرز کے پانچ مرلے پر بنے ہوئے گھر میں مقیم تھے۔

تعلیمی قابلیت کے علاوہ کوئی اور خاص خصوصیت ان کے گھر میں نہیں پائی جاتی تھی اور مجھے یہ سب کچھ جان کر ایک گونہ سکون بھی ہوا تھا کہ میں مالی اعتبار سے اس سے بہت برتر ہوں اور اس کی بے رخی کی وجہ کم از کم اس کی دولت نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ دولت نام کی کوئی چیز ان کے پاس نہیں تھی۔

اور نہ جانے کیوں میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ہو سکتا ہے کہ میں دولت کے ذریعے اس کو امپریس کر سکتا ہوں اسی لیے میں نے اس کے لیے ایک بہت قیمتی گھڑی خریدی تھی۔ لیکن اب میرے لیے مسئلہ یہ تھا کہ اسے یہ گھڑی کیا کہہ کر دی جائے۔ میں نے تمام ممکنہ بہانوں کو سوچا تھا اور پھر برتھ ڈے گفٹ کا بہانہ مجھے بھا گیا تھا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ کالج کے ایڈمیشن فارم میں اس کی جو ڈیٹ آف برتھ لکھی تھی۔ اس کے مطابق اس کی سالگرہ کو گزرے تقریباً ایک مہینہ ہو چکا تھا لیکن مجھے اس سے کوئی مایوسی نہیں ہوئی کیونکہ میرے نزدیک یہ کوئی زیادہ عرصہ نہیں تھا۔

سو ایک دن میں ایک خوبصورت کارڈ اور گفٹ پیک کے ساتھ دوبارہ انگلش ڈیپارٹمنٹ پہنچ گیا تھا۔ اس دن وہ مجھے برآمدے میں ایک بہت خوبصورت اور دراز قد لڑکے کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی ملی۔ وہ لڑکا بڑی سنجیدگی سے اسے کچھ بتا رہا تھا اور وہ بالکل خاموش کھڑی اس کی بات سن رہی تھی۔ مجھے سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کس طرح اس سے بات شروع کروں۔ برآمدے میں اس وقت بہت کم لوگ تھے اور جو تھے وہ مجھ پر نظریں جمائے ہوئے کھڑے تھے۔ میں آہستہ آہستہ رابیل کے پاس پہنچ گیا اور اس سے پہلے کہ وہ میری طرف متوجہ ہوتی اس لڑکے کی نظر مجھ پر پڑی تھی۔ وہ بولتے بولتے رک گیا شاید وہ میری آمد کا مقصد سمجھنا چاہ رہا تھا۔ مجھے اس کے چہرے پر واضح طور پر حیرانگی نظر آئی۔

رابیل نے اس لڑکے کے خاموش ہو جانے پر اس کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے مڑ کر دیکھا تھا اور مجھے دیکھتے ہی ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر نمودار ہوئی تھی اور زندگی میں پہلی دفعہ اس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے میرا حال احوال پوچھا تھا مجھے ایسا لگا تھا جیسے میں ساتویں آسمان پر پہنچ گیا ہوں پھر اس نے اس لڑکے سے بھی میرا تعارف کروایا تھا وہ ضیغم حیدر تھا اور رابیل کا کلاس فیلو تھا میں نے اس سے ہاتھ ملایا اور اس نے مسکراتے ہوئے بڑی شستہ انگریزی میں مجھ سے کہا:

''تو آپ وہ ستارے ہیں جنھوں نے آج کل کرکٹ کی دنیا کے باقی سب ستاروں کو دھندلایا ہوا ہے۔''

میں اس کے تبصرے پر کچھ کہہ ہی نہیں پایا۔ اتنی روانی سے میں اسے انگلش میں جواب نہیں دے سکتا تھا اور اردو میں کچھ کہنا مجھے مناسب نہیں لگا سو میں صرف تھینک یو کہہ پایا۔

''رابیل مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔''

''میں نے فوراً ہی رابیل سے کہا تھا اور اس کا جواب میرے لیے چکرانے والا تھا۔

''کیجیے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کندھے اچکا کر کہا تھا۔

میں نے ایک نظر ضیغم حیدر کو دیکھا جو بڑی گہری نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

''میں اصل میں علیحدگی میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔''

اس سے پہلے کہ رابیل میری بات کے جواب میں کچھ کہتی ضیغم بول اٹھا تھا:

''معاف کیجیے گا میرا خیال ہے مجھے اب چلا جانا چاہیے پھر ملاقات ہوگی۔''

وہ یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلا گیا تھا۔

''جی فرمائیں آپ کو کیا کہنا ہے؟'' مجھے پہلی بار رابیل کے چہرے پر الجھن نظر آئی تھی۔

''اصل میں، میں آپ کو یہ دینا چاہتا تھا۔'' میں نے جھجکتے ہوئے پیکٹ اس کی طرف بڑھا دیا تھا لیکن اس نے ہاتھ بڑھائے بغیر مجھ سے پوچھا:

''یہ کیا ہے؟''

''یہ آپ کی سالگرہ کا تحفہ ہے۔''

وہ میری بات پر جیسے حیران رہ گئی تھی۔

''یہ بس ایک گھڑی ہے۔'' میں نے مزید وضاحت کرنے کی کوشش کی مگر وہ اس وقت تک شاید حیرت کے اس جھٹکے پر قابو پا چکی تھی اس نے اپنی بائیں کلائی میرے چہرے کے سامنے کی تھی۔

''یہ جو چیز میری کلائی پر بندھی ہے اسے بھی گھڑی ہی کہتے ہیں اور اگر یہ میری کلائی پر بندھی ہے تو سیدھے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ میری ملکیت ہے اور اگر یہ میری ہے تو ظاہر ہے مجھے مزید کسی گھڑی کی ضرورت نہیں ہے، یہ تھی پہلی بات، دوسری بات یہ ہے کہ میری سالگرہ کو گزرے، بہت دن ہو چکے ہیں اس لیے کسی تحفے کی کوئی تک نہیں بنتی، تیسری بات یہ کہ میرے اور آپ کے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں جو آپ کو یہ تحفہ دینے اور مجھے لینے پر مجبور کرے اور اب ایک سوال، آخر آپ کو میری ڈیٹ آف برتھ کا پتا کیسے چلا ہے؟ جواب میں ہی دے دیتی ہوں میرا خیال ہے آپ نے آفس سے معلوم کروایا ہوگا لیکن کیوں؟''

اس کے لہجے میں اب میرے لیے سرد مہری تھی چہرے پر اس مسکراہٹ کا نام و نشان بھی نہیں تھا جو پہلے ہوتی تھی۔ میں بے حد نروس ہو چکا تھا۔ اسے اتنا غصہ آئے گا یہ میری توقع کے برخلاف تھا۔ میں تو یہ تصور کر رہا تھا کہ وہ اس سرپرائز پر حیران ہوگی اور شاید خوش بھی کہ مجھے اس کی برتھ ڈے کا علم ہے۔ دیر سے ہی سہی لیکن اسے ایک عدد تحفہ بھی دے رہا ہوں، یہ ایک ایسا اعزاز تھا کہ شاید کالج کی کسی اور لڑکی کو ملتا تو وہ خوشی سے مر ہی جاتی۔ مگر وہ سراپا سوال بنی میرے سامنے کھڑی تھی۔ اپنی ڈارک بلیک آنکھیں میرے چہرے پر جمائے وہ بڑی تیکھی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ جن میں مروت اور لحاظ نام کو بھی نہیں تھا۔

میں نے ہولے سے کھنکار کر اپنا گلا صاف کیا اور پھر اس سے مخاطب ہوا:

''اصل میں، میں آفس میں کسی کام سے گیا تھا تو وہاں بائی چانس آپ کا ایڈمیشن فارم دیکھ لیا اسی میں آپکی ڈیٹ آف برتھ تھی۔ میرے کچھ دوستوں کی ڈیٹ آف برتھ بھی یہی ہے اسی لیے مجھے یہ بہت مانوس سی لگی۔''

مجھے اپنا بہانہ موزوں لگا تھا لیکن اس کے تاثرات ویسے ہی تھے۔

''آل رائٹ، چلیں اس بار میں آپ کے جھوٹ کو سچ مان لیتی ہوں بٹ نیور ڈو داٹ اگین۔'' اس نے مجھے جیسے تنبیہ کی تھی۔ یقیناً میری وضاحت پر اسے اعتبار نہیں آیا تھا۔

''دیکھیں میں یہ گفٹ آپ کو کسی غلط نیت سے نہیں دے رہا، میں اصل میں آپ سے بہت امپریس ہوں اور.....'' اس نے میری بات درمیان میں ہی کاٹ دی تھی:

''Let me make one thing very clear یہاں کالج میں ہم اور آپ امپریس ہونے کے لیے نہیں آتے، یہاں ہم پڑھنے کے لیے آتے ہیں اور اگر بقول آپ کے آپ مجھ سے امپریس ہو بھی گئے تھے تو کیا یہ ضروری تھا کہ آپ بھی مجھے امپریس کرنے کی یہ گھٹیا سی کوشش کرتے اور جہاں تک آپ کی نیت کا تعلق ہے تو مجھے اس بات میں کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ آپ کی نیت غلط تھی یا صحیح۔''

وہ اپنی بات کہہ کر جانے لگی تھی جب میں نے اسے پھر روکا تھا۔

''دیکھیں راہیل آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔''

اس نے جاتے جاتے مڑ کر بڑے مستحکم اور سرد مہر لہجے میں کہا تھا:

''صحیح نہ غلط میں آپ کو کچھ بھی نہیں سمجھ رہی ہوں کیونکہ میرے پاس اتنا فالتو وقت ہی نہیں ہے جسے میں لوگوں کو سمجھنے پر ضائع کرتی پھروں۔ آپ میرے لیے اس کالج کے ہزاروں اسٹوڈنٹس میں سے ایک ہیں جن میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ سو آئی ہوپ کہ اگر آپ کو میرے بارے میں کوئی خوش فہمی یا غلط فہمی ہو گئی ہے تو آپ اسے دور کر لیں گے۔''

وہ یہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھی اور مجھے یوں لگا تھا جیسے اس نے میرے چہرے پر جوتا کھینچ مارا ہو۔ میں خود کو ایک بہت بڑی ہستی سمجھ کر وہاں آیا تھا۔ مگر اس نے شاید مجھے میرا اصلی چہرہ دکھا دیا تھا میں وہاں سے تقریباً بھاگتا ہوا گھر آیا تھا پھر میں، بہت دنوں تک کالج جانے کی ہمت نہیں کر پایا اور کئی روز تک میں اپنے حواس میں نہیں رہا۔ وہ کیا تھی جو اس طرح میری تذلیل کرتی؟ اسے احسن منصور اور دوسرے لڑکوں میں کوئی فرق ہی نظر نہیں آیا۔

ٹھیک ہے وہ بہت قابل اور ذہین تھی لیکن ایسی ذہانت والی سینکڑوں لڑکیاں مجھ پر مرتی تھیں۔ ٹھیک ہے اگر اس کے چاہنے والے بہت تھے تو مجھ پر مرنے والوں کی تعداد ان سے بہت زیادہ تھی۔ وہ تو صرف اس کالج میں جانی جاتی تھی اور مجھے دنیا میں پہچانا جاتا تھا پھر بھی اس نے کہا تھا کہ اسے مجھ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ایک آگ سی تھی جو میرے اندر بھڑک گئی تھی، شاید نوجوانی کا جوش اور غصہ تھا یا شاید تذلیل کا احساس، بہت دنوں تک اندر ہی اندر سلگنے کے بعد میں ایک فیصلے پر پہنچ گیا تھا۔

میں نے دو ہفتے کے بعد اس کے ڈیپارٹمنٹ جا کر اپنی غلطی مانتے ہوئے اس سے معافی مانگی تھی اور اس نے کمال بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے معاف کر دیا تھا۔ پھر چند ہفتوں کے بعد میں کاؤنٹی کھیلنے کے لیے انگلینڈ چلا گیا اور یہاں چھ ماہ کے قیام نے میری زندگی میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔ پہلی دفعہ میں اتنے دنوں تک اپنے والدین سے اکیلا دور کسی ایسی جگہ پر تھا جہاں ہر قسم کی آزادی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے میں کسی سیلن زدہ کمرے سے کسی کھلی چراگاہ میں آ گیا ہوں۔ اس سے پہلے ٹیم کے ساتھ میں دورے کرتا رہا تھا لیکن ٹیم کے ساتھ رہتے ہوئے بہت سی پابندیاں تھیں جن کا مجھے سامنا کرنا پڑتا تھا لیکن کاؤنٹی کے لیے کھیلتے ہوئے ویسی کوئی پابندی مجھ پر نہیں لگائی گئی تھی۔

میں کم عمر تھا۔ خوبصورت تھا، لائم لائٹ میں تھا اور بے تحاشا دولت میرے پاس تھی۔

یہیں ایلسی کے ساتھ میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے سوفٹ ڈرنک بنانے والے ایک ادارے کے ساتھ ایک کمرشل کا کانٹریکٹ کیا تھا اور اس کمرشل میں میرے ساتھ ایلسی براؤنز نے کام کرنا تھا۔ اس کا شمار اوسط درجے کی ماڈلز میں ہوتا تھا۔ لیکن پتا نہیں کیوں مجھے وہ اس قدر اچھی لگی؟ شاید اس کی بے باکی مجھے پسند آئی تھی۔ شاید میں پہلی بار کسی مغربی لڑکی کو اتنے قریب سے جان رہا تھا۔ کمرشل کی شوٹنگ کا آغاز ہونے سے پہلے ایک ڈنر میں اس سے میرا تعارف کروایا گیا تھا اور پہلی ہی ملاقات میں اس نے میرے لیے واضح پسندیدگی کا اظہار کر دیا تھا۔ میں اس کے تعریفی کلمات پر خوشی سے پھولا نہ سمایا تھا۔

بہرحال پہلی دفعہ کوئی مغربی ماڈل گرل میرے لیے اس قسم کے جذبات کا اظہار کر رہی تھی اور پھر اس کے ساتھ میری بے تکلفی بڑھتی چلی گئی۔ اسے کوئی حجاب نہیں تھا اور میں عاشق مزاج تھا۔ ایک رات میں نے اسے اپنے فلیٹ میں ڈنر پر مدعو کیا اور وہ آ گئی تھی۔ ڈنر کے بعد اس نے میرے ساتھ رقص کرنے کی خواہش کا اظہار کیا اور اندھا کیا چاہے دو آنکھیں کے مصداق میں فوراً اس پر تیار ہو گیا۔ رقص کے دوران اس نے میری کسی پیش قدمی کا برا نہیں مانا بلکہ مجھے ایسا لگا جیسے وہ خود اسی کے انتظار میں تھی۔ وہ اپنی اداؤں سے میرے جذبات کو اور بھڑکاتی رہی اور پھر اس ملاقات کا اختتام ویسے ہی ہوا تھا جیسے مغرب میں ہوا کرتا ہے۔

وہ عمر میں مجھ سے دس سال بڑی تھی اور میں صرف انیس سال کا تھا۔ یقیناً میں اس کی زندگی میں آنے والا پہلا مرد نہیں تھا لیکن وہ جسمانی طور پر میری زندگی میں آنے والی پہلی عورت تھی۔ یہ تعلق محبت کا نہیں صرف ضرورت کا تھا۔ اخلاقی طور پر تباہی کی جس آخری سیڑھی سے گرنے کے لیے مجھے جو الٹا قدم اٹھانا تھا وہ میں اٹھا چکا تھا۔

صبح جب میں بیدار ہوا تو ایلسی میرے بیڈ میں ابھی سو رہی تھی۔ یک دم مجھے اس سے اور اپنے کمرے سے بے تحاشا خوف محسوس ہوا۔ میں نائٹ گاؤن پہن کر کمرے سے باہر آ گیا۔ صوفے پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے میں پچھلی رات کے واقعات کو یاد کرنے لگا اور ایک عجیب سی ندامت مجھے محسوس ہوئی تھی۔ اپنے پہلے غیر ملکی ٹور سے لے کر انگلینڈ آنے تک ایک بار بھی ایسا موقع نہیں آیا تھا جب میرے والدین یا بھائیوں نے مجھے ان چیزوں سے بچنے کے لیے کوئی نصیحت کی ہو۔ وہ سب ہمیشہ اس بات پر ہی نازاں رہے تھے کہ میں کرکٹ ٹیم میں شامل ہو کر باہر جا رہا ہوں اور اس بار بھی انگلینڈ آتے ہوئے وہ بہت خوش تھے کیونکہ انگلینڈ کا یہ ٹور مجھے مالی طور پر بہت مستحکم کر دیتا۔ کسی نے ایک دفعہ بھی مجھے نہیں کہا کہ میں ایسے

کوئی غلط کام کرنے کی کوشش نہ کروں شاید وہ سمجھتے تھے کہ میں ایسا کچھ کر ہی نہیں سکتا یا شاید ان کا دھیان ہی اس طرف نہیں گیا یا پھر انھوں نے یہ سوچا تھا کہ مجھے کسی نصیحت کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

لیکن اس دن ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر میں نے جانا تھا کہ ایسی کی گئی کوئی نصیحت شاید میرے بہت کام آتی جو پچھتاوا مجھے صبح ہو رہا تھا وہ اس حرکت کو کرنے سے پہلے ہی ہو جاتا لیکن میری یہ کیفیت بہت زیادہ دیر تک نہیں رہی تھی۔

ایلسی کے بیدار ہوتے ہی یک دم یہ افسردگی دور ہو گئی تھی۔ میں نے خود کو یہ کہہ کر تسلی دے لی تھی کہ یہ سب ہو ہی جاتا ہے اس دور میں۔ یہ سب کرنے والا میں دنیا کا واحد مرد تو نہیں ہوں نہ ہی کرکٹ ٹیم میں اکلوتا ہوں، ٹیم کے باقی کھلاڑی بھی ایسی حرکات میں ملوث ہوتے رہے ہیں پھر مجھے افسردہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ آخر میں مرد ہوں۔ دوسری ضروریات کے ساتھ یہ بھی میری ایک ضرورت تھی جسے میں نے پورا کر لیا تو کیا برا کیا؟

اور میں واقعی ان فریبوں سے بہل گیا تھا۔ میں ایک ہی رات میں ٹین ایج سے نکل کر "باشعور" لوگوں میں شامل ہو گیا تھا اور پھر یہ سب میری زندگی کی روٹین میں شامل ہو گیا تھا۔ ایلسی کافی عرصہ تک میرے ساتھ رہی مگر وہ میری زندگی میں آنے والی اکلوتی لڑکی نہیں رہی۔

ان چھ ماہ میں بہت سی لڑکیوں کے ساتھ میرے تعلقات کا آغاز ہوا۔ میں اس ماحول میں مکمل طور پر ایڈجسٹ ہو گیا تھا اور میں یہ بھی جان چکا تھا کہ اس سوسائٹی میں کسی لڑکی کے ساتھ کسی بھی قسم کے تعلقات رکھنا یا رکھنے کی خواہش کا اظہار کرنا معیوب بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔ لہٰذا جن لڑکیوں کے ساتھ بھی میری جان پہچان ہوتی میں چند ہی ملاقاتوں کے بعد بڑی بے باکی کے ساتھ ان سے اپنی اس خواہش کا اظہار کر دیا کرتا تھا۔ چند دفعہ مجھے بڑے مہذب طریقہ سے انکار کر دیا گیا لیکن زیادہ تر میری اس خواہش یا مطالبہ کو مان لیا جاتا۔

پھر بہت سی لڑکیوں کے ساتھ میری دوستی رہی، ان میں برٹش بھی تھیں اور پاکستانی بھی جو انگلینڈ میں مقیم تھیں اور ہر ایک کے ساتھ میری دوستی آخری حد کو پار ضرور کرتی رہی۔ لیکن پتا نہیں میرا دل کسی ایک لڑکی پر کیوں نہیں ٹھہرتا تھا۔ میں بہت جلد ایک لڑکی کی قربت سے اکتاتا اور دوسری لڑکی کی تلاش کرنا شروع کر دیتا۔ ان دنوں میں مجھے رابعیل علی قطعاً یاد نہیں آئی اور اگر کبھی یاد آئی بھی تو مجھے ہنسی آتی کہ میں کس قسم کا رومانس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میرے لیے رابعیل علی کا چارم ختم ہو چکا تھا اور وہاں رہنے کی وجہ سے اس کی اچھی انگلش کا اثر بھی زائل ہو گیا تھا اب میرے لیے بھی وہ بس کالج کی ایک لڑکی تھی اور بس، میں فیصلہ کر چکا تھا کہ گریجویشن نہیں کروں گا کیونکہ اب مجھے اس کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ چھ ماہ بعد انگلینڈ سے واپس آنے والا احسن منصور اب پہلے جیسا احسن منصور نہیں رہا تھا اس کا اندر اور باہر یکسر طور پر بدل چکا تھا۔ میں ذہنی طور پر بہت میچور ہو چکا تھا اور شاید مضبوط بھی۔

جب میں نے زبیری کو کالج چھوڑنے کے فیصلے کے بارے میں بتایا تو اس نے میرے اس فیصلہ کو ناپسند کیا تھا۔ اس نے مجھے کہا تھا کہ پڑھنا نہیں تو نہ سہی چند دن انجوائے منٹ کے لیے ہی آ جایا کروں اور انجوائے منٹ کے لفظ نے مجھے اس کی بات ماننے پر مجبور کر دیا۔

کالج میں واقعی فنکشنز کا آغاز ہونے والا تھا جس سے اچھی خاصی تفریح ہو جاتی سو میں نے اس کی بات مان لی تھی۔ عمر زبیری سے ہی مجھے پتا چلا تھا کہ رابعیل علی نے ایم اے انگلش پارٹ ون کے امتحان میں کالج میں ٹاپ کیا تھا لیکن مجھے اس پر زیادہ حیرت نہیں ہوئی شاید وہ نہ کرتی تو حیرت ہوتی۔

انگلینڈ میں چھ ماہ رہنے کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ اب میری دلچسپی رابیل میں ختم ہوگئی تھی سو مجھ پر اس خبر کا خاص اثر نہیں ہوا لیکن میں غلط تھا۔ اس دن میں عمر کے ساتھ کالج گیا تھا اور میں نے انگلش ڈیپارٹمنٹ جانے کی قطعاً کوشش نہیں کی لیکن اس دن سب اتفاقات سے بڑا اتفاق ہوا تھا۔ کالج سے واپس گھر جاتے ہوئے وہ مجھے سڑک کے کنارے دکھائی دی تھی۔

اور میں جو اسے ایک عام سی لڑکی سمجھنے کا تہیہ کر چکا تھا پتا نہیں کس طرح بے قابو ہوا اور میں نے گاڑی بالکل اس کے قریب جا کر روک دی وہ چند لمحوں کے لیے ٹھٹھک کر رک گئی تھی لیکن پھر میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کی تیوری پر بل پڑ گئے تھے اور پتا نہیں کیوں لیکن مجھے اس کا یہ انداز اچھا لگا۔ بہت عرصے بعد کسی لڑکی نے مجھے دیکھ کر یوں بیزاری کا اظہار کیا تھا ورنہ تو میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی لڑکیاں شہد کی مکھی کی طرح میری طرف کھنچی چلی آتی تھیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہوئی تھی کہ تیوری پر بل ڈالنے کے باوجود وہ میری طرف بڑے بے دھڑک انداز میں آئی تھی۔

''ہاں جی کیا مسئلہ ہے آپ کو؟''

اس نے میرے قریب آتے ہی بڑے تیکھے انداز سے سوال کیا تھا۔ میں نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھے بیٹھے ہی جواب دیا تھا:

''مسئلہ تو شاید آپ کو درپیش ہے میں تو آپ کو دیکھ کر رک گیا تھا کہ شاید آپ کو لفٹ کی ضرورت۔''

اس نے میری بات کاٹتے ہوئے پہلے سے بھی زیادہ ترش لہجے میں کہا:

''کیا میں نے آپ سے لفٹ مانگی تھی جو آپ اس طرح اپنی خدمات پیش کر رہے ہیں؟''

مجھے یک دم ایسا لگا جیسے وہ پہلے ہی کسی بات پر غصہ میں تھی اور میں خوامخواہ اس کے عتاب کا نشانہ بن رہا ہوں اسی لیے میں نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے مزید وضاحت کی:

''آپ پیدل جا رہی تھیں تو اس لیے میں نے گاڑی روک دی تا کہ آپ کو گھر پہنچا دوں۔''

''جسٹ ٹیل می ون تھنگ کیا اس کالج کی ہر پیدل جانے والی لڑکی کو آپ گھر پہنچاتے ہیں؟ اور اگر ایسا کرتے بھی ہیں تو براہ مہربانی اپنی نوازش اپنے پاس رکھیں، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اور آئندہ کبھی اس طرح میرے پاس گاڑی لا کر مت کھڑی کرنا۔''

بڑے اکھڑ لہجے میں کہتے ہوئے وہ گاڑی کے پاس سے ہٹنا چاہ رہی تھی جب میں نے اس سے اچانک کہا:

''ہر کسی کے لیے تو گاڑی نہیں روکی جاتی یہ تو کچھ خاص لوگوں کے لیے روکی جاتی ہے جیسے میرے لیے تم خاص ہو۔''

آپ سے تم پر آنے میں مجھے ایک لمحہ لگا تھا اور وہ ایک عجیب شاکڈ حالت میں میرے سامنے کھڑی تھی شاید وہ مجھ سے ایسے کسی جملے کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ میں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

''پھر تم نے ایگزام میں ٹاپ کیا تھا، اس کی مبارکباد بھی تمہیں ملنی چاہیے تھی سو میں نے سوچا......'' اس نے بڑے غضبناک انداز میں میری بات کاٹ دی تھی۔

''تم سوچا مت کرو کیونکہ تم یہ کام کرنے کے قابل نہیں ہو۔ سوچنے کے لیے دماغ چاہیے اور تمہارا دماغ کرکٹ خراب کر چکی ہے۔''

''تم مجھے......''میں نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے تنبیہی انداز میں انگلی میری طرف کرتے بڑے زور سے کہا تھا:

''اپنا منہ بند رکھو اور میری بات سنو، ذرا اپنی عمر دیکھو اور اپنی حرکتیں دیکھو، ہے کیا تم میں جو اس قسم کی فضول بکواس کر رہے ہو۔ تم سے چار سال سینئر ہوں میں، تمھیں تو مجھ سے اس قسم کی بے ہودہ بات کرنے سے پہلے ڈوب کر مر جانا چاہیے۔ تمھیں گھر میں کوئی روک ٹوک کرنے والا کوئی سمجھانے والا نہیں ہے، تمھیں اس طرح کھلا چھوڑا ہوا ہے کیسا خاندان ہے تمہارا؟ جاؤ جا کر گھر والوں سے کہو کہ تمھیں لگام ڈال کر رکھیں۔ لوگوں کے لیے عذاب بنا کر چھوڑ دیتے ہیں۔''

وہ یہ کہہ کر بڑی تیزی سے وہاں سے چلی گئی تھی اور میں اسٹیئرنگ وہیل پر ہاتھ جمائے دانت بھینچے اسے جاتا دیکھتا رہا۔ مجھ میں ایسی کون سی خامی تھی جو اسے مجھ سے یوں متنفر کر رہی تھی۔ یہ سوال بار بار میرے ذہن میں گونج رہا تھا۔ گھر آ کر بھی میں بہت زیادہ ڈسٹرب رہا تھا وہ جو ایک خوش فہمی تھی کہ اب مجھے اس میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوگی وہ ختم ہوگئی تھی میں جان چکا تھا کہ وہ اب بھی میرے لیے اتنی ہی اہم ہے جتنی پہلے تھی اور پہلی دفعہ میں نے اس حقیقت کو تسلیم کرلیا تھا۔

اس بے عزتی کے بعد مجھے اس سے قطعاً نفرت محسوس نہیں ہوئی حالانکہ ہونی چاہیے تھی لیکن مجھے تو اس پر غصہ تک نہیں آیا۔ میں اس کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے لگا تھا لیکن اس سے پہلے کہ میں کوئی اور قدم اٹھاتا مجھے ٹیم کے ساتھ دورے پر جانا پڑا۔

بیرونی دورے سے واپسی پر ہوم سیزن شروع ہوگیا اور جب میں ان سب سے فارغ ہوا تو اس وقت وہ کالج سے فری ہو چکی تھی۔ مجھے یہ اطمینان تھا کہ میرے پاس اس کا ایڈریس ہے اس لیے میں کبھی بھی اس سے رابطہ کرسکتا ہوں۔ سو اسی اطمینان کے ساتھ میں انگلینڈ چلا گیا تھا کافی ماہ وہاں گزارنے کے بعد میں واپس پاکستان آیا تھا اور یہاں پھر ایک غیر ملکی ٹیم کے خلاف سیریز کے لیے میرا انتخاب کرلیا گیا تھا سو میں چاہتے ہوئے بھی فوری طور پر اس سے رابطہ نہیں کر پایا۔

اور پھر پتا نہیں کیا ہوا کہ اس کا خیال میرے ذہن سے محو ہوگیا۔ مجھے دوبارہ اس کا خیال اس وقت آیا تھا جب چند ماہ بعد ایک دن اخبار میں ایم اے انگلش پارٹ ٹو میں ٹاپ کرنے والی طالبہ کے طور پر میں نے اس کی تصویر دیکھی اور تصویر دیکھنے کے ساتھ ہی یک دم مجھے اس سے وابستہ سارے واقعات یاد آنے لگے اور بے اختیار سا ہو کر میں نے اس کا ٹیلی فون نمبر تلاش کیا اور پھر اسے فون کیا تھا۔ لیکن یہ جان کر مجھے شاک لگا تھا کہ وہ وہاں سے جا چکے ہیں اور اب وہاں اس مکان کے نئے مالک تھے۔

چند لمحوں کے لیے تو مجھے ایسا لگا جیسے میری سانس ہی بند ہوگئی ہو۔ اپنے اوسان بحال کرتے ہوئے میں نے اس مکان کے نئے مالک سے درخواست کی تھی کہ وہ مجھے اس کے بارے میں کوئی اطلاع دیں اگر وہ جانتے ہوں لیکن انھوں نے مجھے یہ بتا کر اور مایوس کر دیا تھا کہ انھوں نے وہ مکان کسی پراپرٹی ڈیلر سے خریدا تھا اس لیے وہ اس مکان کے پرانے مالکوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ مجھے بہت شاک پہنچا تھا لیکن شاک سے زیادہ مایوسی ہوئی تھی آخر میں اس سے رابطہ کیسے کرتا؟

چند ہفتے میں اسے ڈھونڈنے کی کوشش بھی کرتا رہا لیکن میرا پرابلم یہ تھا کہ میں اپنے نزدیکی دوستوں کو اس کے بارے میں کچھ بتانا نہیں

چاہتا تھا اور جن لوگوں کے ذریعے میں اس کا اتا پتا معلوم کرنے کی کوشش کرتا رہا وہ اس کے بارے میں زیادہ باعلم نہیں تھے۔ چند ہفتوں کی بھاگ دوڑ کے بعد بھی ناکامی ہونے کی وجہ سے میں نے اپنی کوششیں ترک کر دیں لیکن رابیل علی میرے ذہن سے محو نہیں ہوئی۔

پھر چار سال گزر گئے۔ ان چار سالوں میں بہت کچھ بدل گیا۔ پہلے میں پاکستان کے ٹاپ باؤلرز میں تھا۔ چار سالوں میں بین الاقوامی طور پر میرا ڈنکا بجنے لگا تھا۔ پہلے میں صرف باؤلر تھا پھر میں نے بیٹنگ میں بھی اپنا لوہا منوالیا۔ ایک دنیا میرے آگے پیچھے پھرتی تھی۔ میرے پاس صرف روپیہ نہیں بے شمار روپیہ تھا۔ پھر مادی لحاظ سے میں جتنا اوپر گیا تھا اخلاقی لحاظ سے اتنا ہی نیچے گر گیا تھا۔

پہلے میرے افیئرز چھپتے رہتے تھے لیکن اب میرے افیئرز صرف اندرون ملک ہی نہیں بلکہ بیرون ملک بھی مشہور تھے لیکن اس کے باوجود میری شہرت اور میرے چاہنے والوں کی تعداد میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی نہ ہی میرے خاندان نے کبھی میرے کسی افیئر پر اعتراض کیا تھا۔ میں ان کے سامنے اپنے ہر اسکینڈل کو بوگس قرار دیتا اور وہ اس پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتے اور یقین کرتے بھی کیوں نہیں آخر یہ میں ہی تھا جس کی وجہ سے وہ ایک عام سے علاقے کے عام سے گھر سے اٹھ کر شہر کے سب سے پوش علاقے کے ایک دس کنال کے مکان میں مقیم تھے۔ میری وجہ سے ہی اب اس گھر کے ہر فرد کے پاس اپنی ذاتی گاڑی موجود تھی۔ میرے بھائیوں نے میرے روپے کی مدد سے اپنا ذاتی امپورٹ ایکسپورٹ کا کام شروع کر دیا، سو انہیں میرے کسی فعل پر اعتراض کیوں ہوتا۔

بے شمار لڑکیوں سے تعلقات رکھنے کے باوجود اب بھی رابیل علی میرے سینے میں ایک خنجر کی طرح گڑی ہوئی تھی شاید وہ میری پہلی اور اب تک کی واحد شکست ہے اس لیے میں اسے زیادہ یاد کرتا ہوں یا پھر ہاں آسان لفظوں میں یہ مان لینا زیادہ آسان ہے کہ میں رابیل علی سے محبت کرتا آ رہا ہوں۔ وہ واحد حقیقت ہے جسے ماننے میں مجھے کوئی عار نہیں۔ مجھے کبھی بھی یہ توقع نہیں رہی تھی کہ اب دوبارہ کبھی اس سے میرا سامنا ہو پائے گا لیکن ایسا ہو ہی گیا۔

میں ایک ٹیسٹ میچ کھیلنے کے لیے فیصل آباد گیا تھا۔ ایئر پورٹ کے وی آئی پی لاؤنج تک پہنچتے پہنچتے میں لوگوں سے ہاتھ ملاتے اور آٹو گراف دیتے دیتے کافی تھک چکا تھا اور تھکنے سے زیادہ میں اکتایا ہوا تھا۔ اسی لیے لاؤنج میں پہنچ کر میں اپنی کٹ اور بیگ رکھ کر چائے پینے بیٹھ گیا تھا تا کہ لوگ مجھے چائے پیتا دیکھ کر میری طرف نہ آئیں۔ میرے ساتھ دو تین دوسرے پلیئرز بھی شامل ہو گئے تھے۔

چائے کے سپ لیتے ہوئے اچانک میری نظر اس لڑکی پر پڑی تھی جو ہماری ٹیم کے مینجر، کوچ اور کیپٹن سے مصروف گفتگو تھی۔ اس کی پشت میری طرف تھی اس لیے میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ پایا لیکن نہ جانے کیوں مجھے کچھ عجیب سا احساس ہوا تھا۔ اس کے کھڑے ہونے کا انداز بہت مانوس سا لگا تھا پھر بات کرتے کرتے اس نے چہرے کو موڑا تھا اور میرے ہاتھ سے چائے کا کپ چھوٹتے چھوٹتے بچا وہ بلاشبہ رابیل علی تھی۔ اس کے چہرے کا ایک ایک نقش میرے ذہن میں محفوظ تھا۔ میں تو لاکھوں کے مجمع میں بھی اسے پہچان جاتا۔ لاؤنج میں تو پھر چند درجن لوگ تھے۔

میں ایک عجیب سے عالم میں صوفہ سے ٹیک لگائے اسے دیکھتا رہا۔ وہ اب بھی پہلے ہی کی طرح تھی۔ بلیک کڑھائی والے سفید شلوار سوٹ کے ساتھ وہ بلیک کوٹ میں ملبوس تھی۔ بال اب بھی اسٹیپس ہی میں کٹے ہوئے تھے لیکن ان کی لمبائی میں کافی اضافہ ہو چکا تھا۔ ہاں اب بالوں میں

کوئی ہیئر بینڈ نہیں تھا جو ایک زمانے میں اس کا ٹریڈ مارک سمجھا جاتا تھا۔ اپنے دراز قد کے ساتھ وہ لاؤنج میں بہت نمایاں تھی۔

میں ایک ٹک اسے دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر تک اس کے ساتھ باتیں کرنے کے بعد ہماری ٹیم کا کیپٹن میرے صوفے کی طرف بڑھ آیا تھا جب کہ وہ ہمارے ٹیم مینجر کے ساتھ لاؤنج سے باہر چلی گئی تھی۔ ایک لمحے کے لیے میرا دل چاہا کہ میں بھاگ کر اس کے پیچھے جاؤں مگر میں جانتا تھا یہ ممکن نہیں تھا۔ اب میں ایک اسٹار بولر تھا اور میڈیا کے اتنے بہت سے لوگوں کے سامنے ایسی کوئی حرکت اگلے ہی دن اخبار میں شائع ہو جاتی سو میں نے خود پر قابو پالیا تھا لیکن اپنی ٹیم کے کپتان کے صوفے پر بیٹھتے ہی میں نے ایک لمحے کا انتظار کیے بغیر پوچھا تھا:

''وہ لڑکی کون تھی جس سے آپ باتیں کر رہے تھے؟''

''اوہ...... وہ رابیل علی تھی۔ یہاں کی اسسٹنٹ کمشنر ہے۔ میچ کے سارے انتظامات بھی اس کی زیرِ نگرانی ہوئے ہیں۔ وہ چاہ رہی تھی کہ ہم ابھی کچھ دیر بعد اسٹیڈیم جا کر ایک دفعہ وہاں کی ارینجمنٹ کا جائزہ لے لیں تا کہ اگر کسی چیز کی کمی ہو تو وہ پوری کی جاسکے۔ میں مینجر اور کوچ کے ساتھ تھوڑی دیر تک اسٹیڈیم جاؤں گا۔''

وہ مجھے بتا کر چائے پینے میں مشغول ہو گیا۔

''کیا یہ لڑکی واقعی اسسٹنٹ کمشنر تھی؟''

یہ سوال میرے ساتھ صوفے پر بیٹھے ہوئے ناصر نے کیا تھا۔ اس کے لہجے میں تجسس آمیز اشتیاق تھا۔

''ہاں بالکل ہے تمھیں شبہ کیوں ہو رہا ہے؟''

ٹیم کیپٹن نے مسکراتے ہوئے ناصر سے کہا تھا۔

''اگر میں بھی اسٹیڈیم چلوں تو؟'' میں نے گفتگو میں مداخلت کی۔

''وائے ناٹ شیور۔'' کیپٹن نے بڑی فراخدلی سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا تھا۔ کچھ دیر تک ہم وہیں بیٹھے رہے پھر ٹیم کے لیے کوسٹر آ گئی تھی اور سب کھلاڑیوں نے اپنا سامان اٹھانا شروع کر دیا۔

''ہم لوگ ہوٹل نہیں جائیں گے، یہیں سے گراؤنڈ چلیں گے اس لیے تم اپنا سامان اور کٹ کسی پلیئر کو دے آؤ تا کہ وہ اسے ہوٹل لے جائے۔'' کپتان نے مجھے کہا تھا اور میں سر ہلاتا ہوا اپنا سامان لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

کوسٹر تک جانے اور ٹیم کے فزیو کو سامان دینے میں دس منٹ لگے تھے اور جب میں واپس وی آئی پی لاؤنج کی طرف آنے لگا تو وہ ٹیم مینجر کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی لاؤنج سے نکل رہی تھی۔ میرے قدم اسے دیکھ کر رک گئے تھے۔ اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا لیکن شناسائی نام کی کوئی چیز اس کے چہرے پر نہیں جھلکی تھی۔ ٹیم مینجر اس کے ساتھ چلتے ہوئے آ کر میرے پاس رک گئے۔

''احسن، ساجد کہہ رہا تھا کہ تم بھی ہمارے ساتھ جانا چاہ رہے ہو؟'' انھوں نے مجھ سے استفسار کیا میں نے اثبات میں سر ہلایا تھا مینجر نے اس سے میرا تعارف کروایا تھا۔

''یہ رابیل علی ہیں یہاں کی اسسٹنٹ کمشنر اور میرے خیال میں انھیں تو آپ جانتی ہی ہوں گی یہ احسن منصور ہیں دنیا کے ٹاپ آل راؤنڈرز میں شمار ہوتا ہے ان کا۔ ویسے یہ باؤلر زیادہ اچھے ہیں۔''

''بالکل جانتی ہوں میرا جنرل نالج کافی اچھا ہے۔ مجھے مشہور اور اہم لوگوں کے بارے میں کافی معلومات ہوتی ہیں...... السلام علیکم کیسے ہیں آپ؟'' اس نے منیجر سے بات کرتے ہوئے اچانک مجھے مخاطب کیا تھا:

''میں ٹھیک ہوں لیکن میرا جنرل نالج ہمیشہ سے ہی خراب ہے مجھے اہم لوگوں کے بارے میں بھی کچھ پتا نہیں ہوتا۔''

میرا لہجہ بہت معنی خیز تھا لیکن وہ کسی قسم کا نوٹس لیے بغیر بولی:

''یہ آپ کا ہی نہیں بہت سے لوگوں کا مسئلہ ہوتا ہے لیکن آپ کو زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، آپ کرکٹر ہیں اور کرکٹرز کا جنرل نالج جتنا خراب ہوتا ہے وہ اتنا ہی اچھا پرفارم کرتے ہیں۔ کم از کم ہماری ٹیم کا ریکارڈ تو اس بات کا گواہ ہے۔''

ہمارے ٹیم منیجر نے اس کی بات پر ہلکا سا قہقہہ لگایا اور میں قدرے جھینپ گیا اس کے جملوں میں ابھی بھی وہی پرانی کاٹ تھی جس کے لیے وہ مشہور تھی۔

ہم اس کے ساتھ چلتے ہوئے باہر آ گئے تھے۔ جہاں دو گاڑیاں ہماری منتظر تھیں۔ ایک گاڑی میں پہلے ہی ہمارے کوچ اور کیپٹن براجمان تھے۔ اس لیے مجھے دوسری گاڑی میں ٹیم منیجر اور رابیل علی کے ساتھ بیٹھنا پڑا وہ فرنٹ سیٹ پر ڈرائیور کے برابر میں بیٹھی ہوئی تھی اور تمام راستے ہمارے منیجر کے ساتھ بڑے پروفیشنل انداز میں انتظامات کے بارے میں باتیں کرتی رہی۔

ایک ہفتہ تک ہم فیصل آباد رہے اور ان سات دنوں میں تقریباً روزانہ ہی دو تین بار اس سے میرا آمنا سامنا ہوتا رہا۔ وہ بڑے خوشگوار انداز میں مجھ سے حال احوال پوچھتی رہی اور مجھے اس خوش فہمی میں مبتلا کرتی رہی کہ شاید میرے بارے میں اس کی سوچ بدل چکی ہے اب وہ بھی میرے لیے اچھے جذبات رکھنے لگی ہے۔ سو اس ہفتہ میں اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ کر چکا تھا۔

ٹیسٹ میچ کے آخری دن مقامی انتظامیہ کی طرف سے دونوں ٹیموں کو عشائیہ دیا گیا تھا۔ عشائیہ ایک مقامی ہوٹل میں دیا گیا تھا۔ رابیل بھی وہاں موجود تھی۔ عشائیہ کا ابھی باقاعدہ آغاز نہیں ہوا تھا جب میں نے رابیل کے پاس جا کر کہا تھا کہ میں اس سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں وہ دوسرے لوگوں سے ایکسکیوز کرتی ہوئی بڑی خوش دلی سے میرے ساتھ آ گئی تھی ہم ہال سے نکل کر ہوٹل کے عقبی لان کی طرف آ گئے تھے۔

''بیٹھیں۔'' میں نے لان میں پڑی چیئرز کی طرف اشارہ کیا اور خود بھی ایک چیئر کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''آپ کچھ کہنا چاہتے تھے مجھ سے؟'' اس نے چیئر پر بیٹھتے ہی مجھ سے سوال کیا تھا۔

میں اس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ وہ پرپل سوٹ میں ملبوس تراشیدہ بالوں کو ماتھے سے ہٹاتے ہوئے بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ پہلی خوبصورت لڑکی تھی جسے میں نے دیکھا تھا جن لڑکیوں سے میری دوستی تھی ان کے سامنے رابیل علی بہت عام، بہت معمولی نظر آتی تھی۔ لیکن بس یہ دل تھا جسے اس کے سامنے ہر خوبصورتی ماند نظر آتی تھی اور میں تھا جس پر بس اس کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔

''میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

کسی تمہید کے بغیر میں نے وہ جملہ کہہ دیا تھا جسے بولنا مجھے ایک بہت دشوار گزار عمل لگتا تھا۔

صرف ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر حیرانگی جھلکی تھی لیکن پھر اس کا چہرہ بے تاثر ہو گیا تھا اور بڑی پُرسکون آواز میں اس نے کہا تھا:

''یہ ممکن نہیں ہے۔''

''کیوں ممکن نہیں ہے؟'' میں نے بڑی بے تابی سے اس سے پوچھا تھا۔

''کیونکہ میری منگنی ہو چکی ہے اور چند ماہ تک میری شادی ہونے والی ہے۔''

اس کی بات سن کر مجھے یوں لگا تھا جیسے اب میں کبھی سانس نہیں لے پاؤں گا جیسے زمین کی گردش یک دم رک گئی تھی۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا اپنی آواز مجھے جیسے کسی اندھے کنوئیں میں سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

''کون ہے وہ؟''

''اس کا نام ضیغم حیدر ہے۔ وہ ایک سی، ایس، پی آفیسر ہے اور آج کل انٹریئر منسٹری میں کام کر رہا ہے۔''

''کیا یہ لو میرج ہے؟'' میں نے بہت دھیمی آواز میں پوچھا تھا۔

''ویل، میں اسے لو میرج تو نہیں کہہ سکتی ہاں البتہ یہ پسند کی شادی ضرور ہو گی۔ اصل میں ہم دونوں ساتھ پڑھتے رہے ہیں۔ ہماری بہت اچھی دوستی تھی اور انڈراسٹینڈنگ بھی، سو اس نے مجھے پروپوز کر دیا اینڈ دیٹس اٹ۔''

''کیا تم سے مجھ سے زیادہ محبت کوئی کر سکتا ہے؟''

میں نے بہت تیز آواز میں کہا۔ وہ چند لمحوں تک ناگواری سے میری طرف دیکھتی رہی اور پھر شستہ انگریزی میں بولی:

''پتا نہیں مجھے یہ خوش فہمی کیوں ہو گئی تھی کہ تمہارا دماغ اب ٹھیک ہو گیا ہو گا لیکن ایسا نہیں، تم اب تک بالکل ویسے ہی ہو، تم میں بالکل فرق نہیں آیا۔''

''ہاں میں آج بھی وہی ہوں۔ جو تم سے محبت کرتا تھا اور آج بھی بے تحاشا محبت کرتا ہوں۔''

میں نے اسی کی روانی سے انگریزی ہی میں اسے جواب دیا تھا۔

''تمہیں اس قسم کی باتیں کرتے ہوئے شرم کیوں نہیں آتی؟ کیا تم کو یاد بھی ہے کہ کتنی لڑکیوں سے تم نے یہی جملہ کہا ہو گا؟ شاید تمہیں ان کی تعداد بھی یاد نہیں ہو گی۔''

اس نے بڑے سرد مہر لہجے میں مجھ سے کہا۔

''میں نے آج تک یہ جملہ صرف ایک لڑکی سے کہا ہے اور وہ تم ہو سو مجھے تعداد اچھی طرح یاد ہے۔''

''تم کیا ہر لڑکی سے یہی کہتے ہو؟''

اس نے بڑے تیکھے انداز میں مجھ سے پوچھا تھا۔

''تمھیں ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ میں ہر لڑکی سے یہ بات کہتا پھر رہا ہوں۔ یہ صرف تم ہی ہو جسے میں یہ بات کہہ رہا ہوں۔'' میں نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے بڑے اکتائے ہوئے انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔

''آل رائٹ، آل رائٹ مانا کہ تم بہت پارسا ہو لیکن مجھے تمہاری پارسائی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، میرے خیال میں اب مجھے چلنا چاہیے ڈنر شروع ہونے والا ہے۔''

اس نے ٹیبل پر رکھے ہوئے اپنے ہینڈ بیگ پر ہاتھ رکھا اور میں نے یک دم اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''مجھے تم سے ابھی بہت کچھ کہنا ہے، تم ایسے بغیر نہیں جا سکتیں۔''

اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے میں نے بڑے بے خوف انداز میں کہا تھا۔

''میرا ہاتھ چھوڑ دو۔'' اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کیے بغیر مجھے کہا تھا۔

''میں نہیں چھوڑوں گا۔'' ایک عجیب سی ضد مجھ پر سوار ہو گئی تھی۔

''تم چھوڑو گے ضرور چھوڑو گے۔ اگر ایسے نہیں تو بے عزت ہو کر چھوڑو گے۔ میں تمہاری کوئی فین ہوں نہ ہی کوئی گرل فرینڈ جس کے ساتھ تم رومانس لڑانے کے لیے یہاں بیٹھے ہو۔ میرے ایک اشارے، ایک آواز پر تم پولیس اسٹیشن میں ہو گے اور تمہاری کوئی شہرت اور کارکردگی تمھارے کسی کام نہیں آئے گی، تم ہیرو سے زیرو بن جاؤ گے سو بہتر ہے کہ ایسی کسی صورت حال سے پہلے ہی میرا ہاتھ چھوڑ دو۔''

اور میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ اپنی کمزور پوزیشن کا احساس مجھے ہو گیا تھا لیکن ایسا نہیں تھا کہ اس کا جنون میرے سر سے اتر گیا تھا۔

''مجھے صرف ایک بات بتا دو جس شخص سے تم شادی کر رہی ہو، اس میں ایسی کون سی خوبی ہے جو مجھ میں نہیں اس کے پاس وہ کون سی چیز ہے جو میں تمھیں نہیں دے سکتا؟''

میں نے ہاتھ چھوڑتے ہی اس سے سوال کر دیا تھا۔ وہ اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا کر یک دم بڑے اطمینان سے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

''آل رائٹ، میرا خیال ہے مجھے تمھیں آئینہ دکھانا ہی پڑے گا۔ تم کرکٹرز، ایکٹرز اور politicians اصل میں خوش فہمی کے کیڑے ہوتے ہو۔ ساری عمر خوش فہمی پر پلتے رہتے ہو اور ذرا سی حقیقت سامنے آنے پر ایسے تڑپنے لگتے ہو جیسے جونک پر نمک ڈال دیا جائے کیا تم سچ سننے کا حوصلہ رکھتے ہو؟''

''تمھارے منہ سے میں سب کچھ سن سکتا ہوں چاہے وہ کتنی ہی کڑوی بات کیوں نہ ہو۔''

''ویل سیڈ، اوکے پھر مجھے بتاؤ کہ تمھارے پاس ہے کیا، تعلیم ہے؟''

اس کا لہجہ زہریلا تھا اور سوال اس سے بھی زیادہ تلخ۔

''تعلیم سے کیا ہوتا ہے؟ یہ کوئی اتنی بھی اہم چیز نہیں ہے۔''

میں نے بڑا کمزور سا دفاع کیا تھا۔

''ٹھیک ہے بقول تمھارے تعلیم کوئی اتنی بھی اہم چیز نہیں ہے تو چلو مان لیتے ہیں لیکن یہ بتاؤ کہ اچھا کردار ہے تمھارے پاس؟''

''تمھیں میرے کردار میں کیا خامی نظر آتی ہے؟''میں نے اس سے پوچھا تھا۔

''تمھارے اسکینڈلز......''

''میرے اسکینڈلز کی بات مت کرو یہ سب میڈیا کی بلیک میلنگ ہے۔ پتا نہیں کیسی اسٹوریز بنا کر چھاپتے رہتے ہیں۔''میں نے مشتعل ہو کر اس کی بات کاٹ دی تھی۔

''میں نہیں جانتی تھی کہ مجھے کبھی اس طرح تمھیں اصلی چہرہ دکھانا پڑے گا ورنہ میں تمھارے بارے میں شائع ہونے والی خبریں زیادہ دھیان سے پڑھتی بلکہ اکٹھی کر کے رکھ لیتی لیکن کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ سارے ہی اخبارات تمھارے افیئرز چھاپتے رہتے ہیں بلکہ لوکل یا نیشنل پریس کو تو چھوڑو انگلینڈ کے پریس کو بھی تم سے پرخاش ہو گئی ہے۔ وہ بھی تمھارا ایک سے ایک افیئر سامنے لاتا رہتا ہے۔ تمھیں یہ بلیک میلنگ اس لیے لگتی ہے کیونکہ وہ لوگوں کے سامنے تمھاری اصلیت ظاہر کر دیتے ہیں۔ لیکن یاد رکھو یہ وہی اخبارات ہیں جو تمھارے کھیل کے کارناموں کو جلی حروف میں شائع کرتے ہیں، جنھوں نے تمھیں بولنگ کی دنیا کا دیوتا بنا دیا تھا اور تمھیں لگتا ہے کہ وہ تمھیں بدنام کر رہے ہیں۔ تم یہ کیوں نہیں مان لیتے کہ تم اخلاقی طور پر بہت گر چکے ہو۔''

''رابیل بس یہ سب بند کرو۔''میں نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے اسے بولنے سے روک دیا۔

''اگر یہ سب سچ ہے بھی تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں تم سے شادی کے بعد یہ سب چھوڑ دوں گا۔ ٹھیک ہے کچھ غلطیاں مجھ سے ضرور ہوئی ہیں لیکن ایسی غلطیاں کس سے نہیں ہوتیں لیکن میں تمھارے لیے اپنے آپ کو بدل لوں گا۔ تم مجھے جیسا چاہو گی میں ویسا بن کر دکھاؤں گا۔''

اپنے جملے کے اختتام پر میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں جیسے شعلے لپک رہے تھے۔

''جو مرد کسی عورت سے یہ کہتا ہے کہ وہ اس کے لیے اپنے آپ کو بدل دے گا، اس سے بڑھ کر فراڈ اور مکار کوئی دوسرا نہیں ہوتا۔ جو شخص اپنے مذہب کے لیے اپنی پارسائی برقرار نہیں رکھ سکتا، جو شخص اپنے خاندان کی عزت اور نام کے لیے اپنی آوارگی پر قابو نہیں پا سکتا، جو شخص اپنے ماں باپ کے پڑھائے ہوئے تمام سبق بھول کر پستی کی انتہا تک پہنچ جاتا ہے جو خود اپنی نظروں میں اپنا احترام اور عزت باقی رکھنے کی پروا کیے بغیر عیاشی کرتا ہے وہ کسی عورت کے لیے خود کو کیا بدلے گا؟

تمھاری اس بات نے تمھیں میری نظروں میں اور گرا دیا ہے۔ آخر میں تمھارے جیسے آوارہ اور بدکردار شخص کو اپنا شوہر کیسے بنا سکتی ہوں؟ تمھیں ایک ایسے شخص پر ترجیح کیسے دے سکتی ہوں۔ .who is a thorough gentleman۔

یہ جو تم کریکٹرز ٹائپ کی چیزیں ہوتے ہو نا، پتا نہیں کیسے یہ کیڑا تم لوگوں کے دماغ میں گھس جاتا ہے کہ تم لوگ جہاں جاؤ گے لوگ تمھیں پلکیں بچھائے ملیں گے۔ جس سے ملو گے وہ تم لوگوں کو ear to ear smile دیتا پھرے گا جس چیز کی طرف ہاتھ بڑھاؤ گے، وہ مقناطیس کی طرح

کھینچتی ہوئی تمہاری طرف آ جائے گی۔ تم لوگ تو پانی میں بننے والے بلبلوں کی طرح ہوتے ہو جن کا نہ کوئی ماضی ہوتا ہے نہ مستقبل، جب تک وہ ہوتے ہیں پانی پر بس وہ ہی وہ نظر آتے ہیں اور جب غائب ہوتے ہیں لگتا ہی نہیں کہ کبھی پانی پر ان جیسی کوئی چیز نمودار ہوئی ہو گی۔

ایک شاٹ یا ایک وکٹ تم لوگوں کو لائم لائٹ میں لے آتی ہے اور تمہاری بدقسمتی یہ ہے کہ تم لوگوں کو غائب بھی یہی چیزیں کرتی ہیں۔ تمھیں آخر کیا کمپلیکس ہے؟ یہ کہ تم خوبصورت ہو، یہ کہ تمھارے پاس بے تحاشا دولت ہے، یہ کہ تمھارے پاس شہرت ہے یا یہ کہ تمھارے پاس یہ سب کچھ ہے؟ لیکن اس دنیا میں موجود ہر لڑکی کی خواہش صرف یہ چیزیں نہیں ہو سکتیں۔''

''ہاں مگر بہت سی لڑکیوں کی خواہش صرف یہ چیزیں ہی ہوتی ہیں اور تم اسے جھٹلا نہیں سکتیں۔''

اس کی بہت سی باتیں سننے کے بعد میں نے اس سے کہا تھا۔ ایک عجیب سی افسردگی مجھے اپنی گرفت میں لے رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کا حقیقت پسندانہ تجزیہ میرے لیے کتنا تکلیف دہ ثابت ہو رہا تھا۔

''ہاں مگر میں ان لڑکیوں میں شامل نہیں ہوں۔'' اس نے بڑے مستحکم انداز میں کہا تھا۔

''تمہارا پلس پوائنٹ تمہاری دولت ہے، تمہاری شہرت ہے مگر یہ دونوں چیزیں تو چور کے پاس بھی ہوتی ہیں لیکن لڑکیاں اسے اپنا آئیڈیل بنائے نہیں پھرتیں۔''

''اوہ لیکن میں بہت سی لڑکیوں کا آئیڈیل ہوں اور میں چور بھی نہیں ہوں۔''

میں طنزیہ آواز میں کہہ کر ہنسا تھا۔

''ہاں تم بہت سی لڑکیوں کے آئیڈیل ہو اور تم چور بھی نہیں ہو لیکن کیا تم نے کبھی یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ تم کن لڑکیوں کے آئیڈیل ہو؟ تم میٹرک سے لے کر ماسٹرز تک کسی بھی ایگزام میں ٹاپ کرنے والی کسی بھی لڑکی کے فیورٹ پلیئر تو ہو سکتے ہو لیکن آئیڈیل نہیں نہ ہی تم ڈاکٹر، انجینئر، پائلٹ، چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ، لیکچرار اور سی ایس پی آفیسر لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتے ہو۔ ہاں مگر تم ان لڑکیوں کا آئیڈیل ضرور ہو سکتے ہو جو یا تو تمہارے جیسا ذہن رکھتی ہوں گی یا جنھیں تمہاری طرح تعلیم یا اپنے کیریئر سے کوئی دلچسپی نہیں ہو گی، جن کی زندگی کا واحد مقصد شادی ہوتا ہے، وہ سپر اسٹار احسن منصور سے ہو جائے یا پھر گلی کے کسی بھی چکر باز سے جو تمہاری طرح ان پر جان نثار کرنے کا دعویٰ کرے۔ ایسی ہی لڑکیاں ہوتی ہیں جو تم جیسے کرکٹرز یا ایکٹرز پر نثار ہوتی ہیں یا جو تم لوگوں کو اپنا آئیڈیل بنائے پھرتی ہیں یا جو اپنی کتابوں یا کمرے کی دیواروں کو تم لوگوں کی تصویروں سے سجائے رکھتی ہیں۔ ہم جیسی لڑکیاں نہیں، ہمارے پاس تو تم لوگوں کے بارے میں سوچنے کے لیے وقت ہی نہیں ہوتا کیونکہ تم لوگوں نے آخر ایسا کون سا کارنامہ سرانجام دیا ہوتا ہے کہ ہم تمھارے بارے میں وقت نکال کر سوچا کریں۔

ہاں تم لوگ ہمارے لیے ٹائم پاس کا ایک اچھا ذریعہ ہوتے ہو۔ اپنی مصروفیات سے تھک گئے یا تنگ آ گئے تو ایک فلم دیکھ لی یا کوئی میچ دیکھ لیا اور تھوڑی ذہنی تفریح کر لی اینڈ دیٹس آل اس سے زیادہ اہمیت نہیں ہوتی ہمارے لیے تم لوگوں کی۔

کرکٹ کو مائنس کر دیں تو ہے کیا تمہاری ذات میں؟ جس کے بارے میں بات کی جا سکے یا جو قابل غور ہو، تعلیم تمھارے پاس نہیں ہے،

کردار تمہارا اچھا نہیں ہے، بات کرنے کا سلیقہ اور ڈھنگ تم کو نہیں ہے، چند دن پرانی ہاتھ لگی دولت کو شو آف کے لیے تم استعمال کرتے ہو اور پھر بھی بضد ہو کہ مجھ میں ایسی کون سی خوبی نہیں ہے جو آپ کے ہونے والے شوہر میں ہے۔

جب تک کرکٹ کھیل رہے ہو، سب کی آنکھوں میں ہو جس دن یہ چھوڑ دو گے تو کسی کے پیروں میں بھی جگہ نہیں ملے گی۔ تمہارا کیریئر ہے بھی کتنا؟ اس وقت تم چوبیس یا پچیس سال کے ہو گے۔ اگر مان لیا جائے کہ دس سال اور کرکٹ کھیلو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پینتیس سال کے بعد تمہارا کیریئر گلیمر اور شہرت سب ختم ہو جائے گا اور اگر میں تمھیں ضیغم سے کمپیئر کروں تو مجھے تمھیں یہ بتاتے ہوئے بڑی خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ اس کا کیریئر آج سے دس سال کے بعد عروج کی طرف گامزن ہو گا اور شاید سروس سے ریٹائر ہونے کے بعد بھی وہ کانٹریکٹ پر کچھ سال جاب کرے سو اس کا کیریئر پینسٹھ سال کی عمر میں ختم ہو گا۔ سو تم میں اور اس میں تو کوئی comparison ہی نہیں بنتا۔

تم تعلیم میں اس کے برابر نہیں ہو، تم عہدے میں اس کے برابر نہیں ہو، تم کردار میں اس کے برابر نہیں ہو، ہاں شہرت، دولت اور خوبصورتی میں تمھیں کچھ سبقت حاصل ہے لیکن مسٹر احسن منصور یہ چیزیں میری ترجیحات میں کبھی بھی شامل نہیں رہیں۔ ہر مرد اور ہر عورت شادی کے لیے لائف پارٹنر کا انتخاب کرتے ہوئے اپنے سے بہتر شخص کا انتخاب کرتا ہے مجھے ضیغم خود سے بہتر لگتا ہے اس لیے میں اس سے شادی کر رہی ہوں اور تم مجھے خود سے بہت کمتر لگتے ہو پھر میں تم سے شادی کیسے کر سکتی ہوں؟

تمھارے لیے مناسب یہ ہے کہ کسی ایسی لڑکی کا انتخاب کرو جو تمھیں خود سے بہتر سمجھے اور جن لوگوں کی کمپنی میں تم رہتے ہو تمھیں ایسی لڑکیوں کی کمی نہیں ہو گی۔

میں امید کرتی ہوں کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہو گی۔ آئندہ مجھ سے آپ کا سامنا ہو بھی تو کسی قسم کی شناسائی ظاہر کرنے کی کوشش مت کیجیے گا اور نہ ہی کوئی توقعات وابستہ کیجیے گا ورنہ آپ کو آج سے زیادہ تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

وہ اپنا بیگ اٹھا کر بڑے مستحکم قدموں سے ہوٹل کے ہال کی طرف بڑھ گئی۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے ساری دنیا چند لمحوں کے لیے ٹھہر گئی تھی، خاموش ہو گئی تھی، میں اندر ہوٹل کے ہال میں نہیں جا سکا بس وہاں سے بھاگ آیا۔ اسے دوبارہ دیکھنے کی ہمت مجھ میں نہیں تھی اس لیے کسی کو اطلاع دیے بغیر ہوٹل سے اپنا سامان لے کر فلائنگ کوچ کے ذریعے اسی رات فیصل آباد سے لاہور پہنچ گیا، جانتا تھا ٹیم مینجمنٹ مجھے اس حرکت پر فائن کرے گی پر تب مجھے ہوش ہی کہاں تھا۔

علی الصبح میں گھر پہنچا تھا۔ گھر والوں کے سوالوں سے بچتا ہوا کچھ کہے بغیر میں اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی میں نے اپنے بیگ دور پھینک دیے تھے۔ پھر بہت دیر تک سر کو ہاتھوں میں تھامے میں صوفے پر بیٹھا رہا۔

اس کی ایک ایک بات میرے ذہن میں گھوم رہی تھی۔ میں احسن منصور ایک رات میں آسمان سے زمین پر آ گیا تھا۔

"تم لوگ خوش فہمی کے کیڑے ہوتے ہو۔" اس نے کہا تھا۔ "ساری عمر خوش فہمی پر پلتے رہتے ہو اور ذرا سی حقیقت سامنے آنے پر ایسے تڑپنے لگتے ہو جیسے جونک پر نمک ڈال دیا جائے۔"

ہاں اس نے ٹھیک کہا تھا کاش یہ بات کوئی مجھے بہت پہلے کہہ دیتا۔

''تم لوگ پانی پر بننے والے بلبلے ہو جس کا نہ کوئی ماضی ہوتا ہے نہ مستقبل۔ میں تم جیسے آوارہ شخص سے شادی کیسے کر سکتی ہوں؟ جس سے میں شادی کر رہی ہوں اس کے پاس اچھا کردار ہے جو تمھارے پاس نہیں ہے۔'' میرا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔

''تم کرکٹرز اور ایکٹرز ہمارے لیے صرف ٹائم پاس کا ایک ذریعہ ہو اور کچھ نہیں۔''

''احسن کیا بات ہے ایسے کیوں بیٹھے ہو؟''

میں نے سر اٹھایا تھا۔ امی میرے پاس کھڑی تھیں۔ پتا نہیں وہ کس وقت کمرے میں آ گئی تھیں۔

''تم ٹھیک تو ہو نا؟'' وہ پوچھتے ہوئے میرے پاس صوفہ پر بیٹھ گئیں۔ میں خاموشی سے ان کا چہرہ تکنے لگا۔

''کوئی پریشانی ہے کیا؟ میچ تو تم جیت گئے تھے پھر کیا مسئلہ ہے؟''

ایک لمحہ انھیں ساکت تکتے رہنے کے بعد میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔ میں کیا چیز ہار آیا تھا یہ وہ کبھی نہیں جان سکتی تھیں۔ آخر زندگی صرف میچ ہی تو نہیں ہوتی۔

''احسن میرے بیٹے میری جان کیا ہوا ہے تمھیں؟'' امی مجھے اپنے ساتھ لپٹا کر کہہ رہی تھیں۔

''تم میں ایسا کچھ نہیں ہے جو میرے لیے باعث کشش ہو۔'' میرے کانوں میں اس کی آواز گونج رہی تھی۔

''کچھ نہیں ہوا امی بس آپ مجھے بہت یاد آ رہی تھیں۔''

''ہر شخص اپنے سے بہتر شخص سے شادی کرتا ہے لیکن تم کسی طور بھی مجھے خود سے بہتر نہیں لگتے۔''

''لو بھلا اس میں رونے والی کیا بات ہے؟ اب تم بڑے ہو چھوٹے بچے تو نہیں ہو کہ اتنی سی بات پر رونے بیٹھ جاؤ'' امی میرا ماتھا چومتے ہوئے بول رہی تھیں۔

''آئندہ کبھی مجھ سے ملنے کی کوشش مت کرنا ورنہ تمھیں پہلے سے زیادہ تکلیف ہوگی۔''

پچھلی ساری زندگی میں نے نارمل بن کر گزاری تھی مگر اب مجھے ساری زندگی ابنارمل رہنا تھا۔

❀.......❀.......❀

ختم شد